MIS
روشن ستارے
(کامل چار حصے)
عبداللہ فارانی
www.besturdubooks.net
ایم آئی ایس پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روشن ستارے

عبداللہ فارانی

ناشر

ایم آئی ایس پبلشرز

523، سی بلاک نزد مدینہ مسجد، آدم جی نگر۔ کراچی

فون: 4931044 ,021-4944448

Web: www.mis4kids.com

نامِ کتاب: روشن ستارے

مؤلف: عبداللہ فارانی

تاریخِ طبع: صفر ۱۴۲۹ھ / مارچ ۲۰۰۸ء

ناشر: ایم آئی ایس پبلشرز

ملنے کا پتا

ایم آئی ایس اسٹوڈیو اینڈ پبلشرز

523-سی بلاک، نزد مدینہ مسجد، آدم جی نگر۔ کراچی

فون: 021- 4944448 / 4931044

Web: www.mis4kids.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
01	عرضِ ناشر	05	10	بوڑھا مجاہد	56
02	تعلیم یافتہ لڑکا	07	11	ابورُہم غِفاری	62
03	قیدی کا فرار	15	12	موت کی پٹی	66
04	مرداس کا بیٹا	21	13	نور والے	75
05	سخی کا بیٹا	24	14	سب سے پہلے میزبان	82
06	بہادر بہن بھائی	33	15	امامہ کے والد	85
07	میں کامیاب ہوگیا	42	16	سجدوں کا عادی	90
08	خوشبو	47	17	اجنادین کا شہید	94
09	لاش پر سے گزر جاؤ	51	18	مجھے معلوم نہ تھا	98

19	ایک تھا گورنر	103	30	ایک تھے جری	176
20	بادشاہی کی علامت	112	31	میں کسی سے نہیں ڈرا	181
21	مجھے امید ہے	120	32	سچا عاشق	186
22	مہاجر انصاری	125	33	اجر ضائع نہیں کروں گا	190
23	تم وہی ہو	132	34	جنتی دیہاتی	196
24	نصیب کی بات	139	35	عظمت ملی جنھیں	203
25	چار خوش نصیب بھائی	145	36	واپس نہ لانا	211
26	شہر بسانے والے	149	37	انوکھا میزبان	219
27	ہم وہ نہیں	156	38	انگاروں پر کمر	229
28	ان کی تڑپ	163	39	آزاد کرتا ہوں	236
29	صبر کا امتحان	169	40	بہادر ماں کے دلیر فرزند	240

عرضِ ناشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے بچوں، بڑوں اور عورتوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان پیارے بندوں کا ذکر ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

''اللہ ان راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔''

جب ''بچوں کا اسلام'' میں عبداللہ فارانی صاحب کے دل نشین قلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے چھپنا شروع ہوئے تو ابتداء ہی میں قارئین کا مطالبہ سامنے آگیا کہ انھیں کتابی شکل میں شائع کیا جائے، چنانچہ ایم آئی ایس پبلشرز نے ان مضامین کو یکجا کرکے ''روشن ستارے'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

الحمدللہ! یہ کتاب ۳۰ر نومبر ۲۰۰۷ء کو کراچی ایکسپو سینٹر میں نیشنل بک

فاؤنڈیشن کی جانب سے اوّل انعام حاصل کرچکی ہے۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس وقت اس کتاب کی طبع ثالث آپ کے ہاتھ میں ہے۔

آیئے! اس موقع پر عہد کریں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے عام کریں گے اور اپنی زندگیوں کو ان مقدس بزرگوں کے اسوہ میں ڈھالیں گے۔

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

والسلام

محمد ہاشم

ڈائریکٹر ایم آئی ایس

تعلیم یافتہ لڑکا

''میاں لڑکے! کیا تم بکری کا دودھ دوہ کر ہماری پیاس بجھا سکتے ہو۔''

چھوٹے سے قد اور گندمی رنگ کے لڑکے نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ اس کے سامنے دو نورانی چہروں والے کھڑے تھے۔ اس نے فوراً کہا:

''یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ عقبہ بن ابی معبد (مکہ کے مشہور مشرک) کی ہیں۔ میں تو صرف چرواہا ہوں۔ اس کی اجازت کے بغیر میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا، یہ امانت میں خیانت ہوگی۔''

اب دوسرے صاحب بولے:

''اچھا تو بھائی! کوئی ایسی بکری آگے لاؤ جو دودھ نہ دیتی ہو۔''

اس پر چرواہے نے کہا:

''ایسی بکری ہے تو سہی، لیکن آپ کے کس کام کی؟''

وہ صاحب بولے:

''تم لاؤ تو سہی۔''

چرواہے نے بکری آگے کردی۔ یہ دو حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلام کی تبلیغ کا بالکل ابتدائی دور تھا، آپ دونوں تبلیغ کرتے دور نکل آئے تھے۔ پیاس لگی، پانی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، پانی تو نظر نہ آیا، چرواہے اور اس کی بکریوں پر نظر پڑی، چنانچہ اس کے نزدیک آگئے۔

اب چرواہا حیران تھا کہ یہ اس بکری کا کیا کریں گے جس نے آج تک دودھ نہیں دیا۔ اس نے دیکھا، ان صاحب نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی، دیکھتے ہی دیکھتے خشک تھن دودھ سے بھر گئے۔ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بکری کا دودھ دوہنے لگے۔ اتنا دودھ جمع ہو گیا کہ تینوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ بکری کے تھن اپنی پہلی حالت پر آگئے۔

نوجوان پہلے ہی کچھ کم حیرت زدہ نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر اور حیران ہو گیا۔ مکہ میں اسلام کی دعوت کی بات اس کے کانوں میں بھی پڑ چکی تھی۔ سمجھ گیا کہ یہ وہی ہیں۔ دودھ والا معجزہ دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس وقت تو خاموش رہا۔ شہر واپس جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنی جماعت میں شریک کر لیجیے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چرواہے کو دیکھ کر مسکرائے۔ اس کی ایمانداری پہلے ہی دیکھ چکے تھے، اسے کلمہ پڑھایا، سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

''تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔''

یہ خوش قسمت نوجوان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ بنو خندف کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور ذوق وشوق سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس وقت تک صرف چند افراد ہی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے تھے۔ ایک دن ان حضرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ قریش نے آج تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ کوئی ان کے سامنے بلند آواز میں قرآن پڑھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''یہ کام میں کروں گا۔''

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا:

''یہ کام بہت خطرناک ہے، ایسا نہ ہو، تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ، تمھارا قبیلہ اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ تمہیں مشرکین سے چھڑا سکے۔''

ان کی بات سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پرجوش لہجے میں کہا:

''آپ لوگ مجھے یہ کام کرنے دیں، میرا بھروسہ اللہ پر ہے، وہی میری مدد کرے گا۔''

دوسرے دن سورج طلوع ہونے کے بعد جب مشرکین مکہ ایک جگہ جمع تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آواز میں ان کے سامنے قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ ان میں سے ایک نے کہا:

''یہ تو وہ کتاب پڑھ رہا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتری ہے۔''

یہ سنتے ہی تمام مشرکین غصے میں بھر گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ سوج گیا، جسم کے کئی حصوں سے خون بہنے لگا، لیکن انھوں نے قرآن کی تلاوت نہ روکی، تلاوت کرتے جاتے تھے اور مار کھاتے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مشرکین مارتے مارتے تھک گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت خاموش ہوئے جب قرآن کی سورۃ ختم ہو گئی۔ خستہ حالت میں واپس لوٹے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھ کر کہا:

''ہمیں اسی بات کا ڈر تھا۔''

یہ سن کر انھوں نے پر جوش انداز میں کہا:

''میں نے تو ارادہ کر لیا ہے، کل پھر انھیں اللہ کا کلام سناؤں گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

''جتنا تم نے کیا، کافی ہے۔''

اپنے ساتھیوں کے مجبور کرنے پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رک گئے، کفار بھلا کب آرام سے بیٹھنے والے تھے۔ انھوں نے انھیں ستانے پر کمر باندھ لی۔ جب ان کا ظلم حد سے بڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، تیسری مرتبہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کرایا تو انھیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انصاری کا بھائی بنایا۔ ان کے رہنے کے لیے مسجد نبوی کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔

۲ر ہجری سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ غزوۂ بدر میں جب دو بچوں نے ابوجہل کو شدید زخمی کر دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ابوجہل کو تلاش کرتے وہاں پہنچ گئے، ابوجہل دم توڑتا نظر آیا۔ آپ نے اس کا سر کاٹ لیا اور لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا ناپاک سر دیکھ کر فرمایا:

''حمد وثنا کے لائق وہ اللہ ہے جس نے اے اللہ کے دشمن تجھے ذلیل کیا۔''

پھر فرمایا:

''اس امت کا فرعون مر گیا۔''

غزوہ بدر کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش اور جواں مردی کے ساتھ اُحد، خندق اور خیبر کی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقعے پر بھی آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

۸ر ہجری میں حنین کا معرکہ پیش آیا۔ ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبیلوں کو شیطان نے بہکایا۔ انھوں نے دوسرے قبیلوں کو ساتھ ملایا اور ہزار ہا جنگجو مکہ کی طرف بڑھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاعات ملیں تو آپ نے فوراً جنگ کی تیاری کی اور بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج میں مکہ کے دو ہزار نئے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ اتنا بڑا لشکر دیکھ کر مسلمانوں کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے:

''اب ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔''

اللہ کو غرور کے انداز میں کہی گئی یہ بات پسند نہ آئی۔ اسلامی لشکر حنین کی وادی میں پہنچا۔ وادی کے دونوں طرف دشمن چھپا ہوا تھا۔ مسلمان اس بات سے بالکل بے خبر تھے۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ پھر جونہی ان کا ہراول دستہ دشمن کی زد میں آیا۔ انھوں نے تیروں کی بارش کر دی، پھر نکل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہراول دستے میں زیادہ تر نئے مسلمان تھے۔ وہ بوکھلا کر بھاگے، دوسرے مسلمان بھی گھبرا گئے۔ ان میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے۔ اس نازک وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں جم کر کھڑے رہے۔ صحابہ کرام کی ایک مختصر سی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جاں نثاری کے جوہر دکھا رہی تھی۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عبداللہ! مجھے ایک مٹھی خاک دو۔''

انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خاک مشرکین پر پھینکی، اللہ نے ان کی آنکھیں غبار آلود کر دیں، ساتھ ہی تمام مسلمان پلٹ پڑے اور کفار پر زبردست حملہ کر دیا، مشرکین نے بُری طرح شکست کھائی۔ اپنے بے شمار مقتولین اور زخمی میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یرموک کی لڑائی میں حصہ لیا۔ واپس آئے تو حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ وہاں کا بیت المال اور دینی تعلیم کا شعبہ بھی آپ کے سپرد کیا۔ دس سال تک قاضی رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس عہدے سے فارغ ہوئے۔ حج کے لیے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے، راستے میں ایک مقام ربذہ سے گزرے، وہاں ایک خاتون بیٹھی نظر آئیں۔ اس نے ان مسلمانوں کو پکارا۔ معلوم ہوا، وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہے، وہ اس جگہ تنہا رہتے تھے، سب فوراً ان کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، اپنے کفن دفن کے بارے میں ہدایات دیں اور انتقال کر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، سب نے مل کر انھیں سپرد خاک کیا اور حج کے لیے آگے روانہ ہوئے۔

حج سے واپسی کے بعد آپ نے ۳۲ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادموں میں شامل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت زیادہ رہنے کا موقع ملا۔ علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کا سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا ہے، آپ ان میں سے ایک تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''ایک برتن ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔''

آپ قرآن کے قاری، دین کے فقیہہ اور سنت کے عالم تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''جب تک ہم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا عالم موجود ہے، مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت نہ کرو۔''

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''میں نہیں جانتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی قرآن کا عالم ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ احادیث کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ کے تو امام تھے۔ آپ بدعات کے سخت خلاف تھے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کچھ لوگوں نے کوئی بدعت جاری کی ہے تو فوراً جا کر ان کی خبر لیتے تھے۔ حد درجے کے عبادت گزار تھے۔ روزے کثرت سے رکھتے تھے، آپ میں عاجزی بہت تھی، کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو فوراً کہہ دیتے، میں نہیں جانتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پہ اس قدر اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس چیز کو تمہارے لیے عبداللہ ابن مسعود پسند کریں، میں بھی تمہارے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہوں، اور اس پر راضی ہوں۔''

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

قیدی کا فرار

انھوں نے جونہی اسلام قبول کیا، مشرکینِ مکہ نے انھیں قید میں ڈال دیا۔ بہت مدت تک قید میں رہے، ان کا ظلم سہتے رہے، ان حالات میں ایک دن انھیں فرار ہونے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ وہ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اس وقت تک صلح حدیبیہ ہو چکی تھی۔ اس صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس کر دیں گے۔ مشرکین کو جب پتا چلا کہ ان کا قیدی فرار ہو گیا ہے تو آگ بگولا ہو گئے اور جب انھوں نے سنا کہ وہ فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئے ہیں تو اور بھی طیش میں آ گئے، فوراً دو آدمی وفد کی صورت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا:

"صلح نامے کی شرائط کی رو سے ہمارا آدمی ہمارے حوالے کریں۔"

انھیں مشرکین کے حوالے کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ پھر سے ظلم وستم کی چکی میں پوری بے رحمی کے ساتھ پستے، لیکن رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عہد کے پابند تھے اور ان سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور کر بھی کون سکتا تھا۔ آپ تو نبوت سے پہلے بھی بااصول تھے۔ اسی لیے تو صادق اور امین مشہور ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا:

''دیکھو! تمھیں معلوم ہے کہ صلح نامے کی شرائط کی رو سے میں تمھیں روک نہیں سکتا۔ اگر روکوں تو یہ عہد شکنی ہو گی۔ عہد شکنی ہمارے دین میں جائز نہیں، اس لیے، اس وقت تم مشرکین کے پاس واپس چلے جاؤ۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمھاری اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔''

یہ سن کر انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے پھر مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں، ایسا نہ ہو، وہ مجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دیں۔''

جواب میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ! اللہ جلد ہی تمھاری اور دوسرے مسلمانوں کی رہائی کا سامان کر دیں گے۔''

انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے ساتھ چل دیے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر ان کے یہ دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ ایسے میں انھوں نے دونوں میں سے ایک سے کہا:

''برادر! تمہاری یہ تلوار بہت خوب صورت اور عمدہ ہے۔''

تلوار کا مالک اس کی تعریف سن کر خوش ہو گیا اور بولا:

''بے شک! یہ تلوار بہت اچھی ہے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔''

یہ سن کر وہ فوراً بولے:

''ذرا دکھانا۔''

اس نے فوراً تلوار نیام سے نکالی اور ان کی طرف بڑھا دی۔ مشرکین کئی سال سے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ اس وقت یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ان کے ساتھ آ تو گئے تھے، لیکن دوبارہ خود کو ان کے حوالے کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں تھے، چنانچہ تلوار ہاتھ میں لیتے ہی انھوں نے تلوار کے مالک پر وار کیا۔ اور ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ دوسرا خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدحواس دیکھ کر پوچھا:

''کیا بات ہے، تم پریشان کیوں ہو اور واپس کیسے آ گئے۔''

اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اتنے میں یہ بھی وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی بولے:

''اے اللہ کے رسول! آپ نے معاہدے کی شرط پوری کر دی، آپ اپنی ذمے داری سے سبک دوش ہو گئے۔ اب اللہ نے مجھے ہمت دی اور میں آزاد ہو گیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا، قریش کے آدمی کو قتل کرنے کی بنیاد پر قریشی

مشتعل ہو جائیں گے، اس لیے ان کے بارے میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے محسوس کرلیا کہ شاید انھیں پھر مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا، چنانچہ یہ موقع پا کر وہاں سے نکل گئے اور ساحلی مقام کی طرف چلے گئے۔

انھوں نے ایک ساحلی علاقے عیص کو اپنا ٹھکانا بنالیا۔ اس مقام سے قریب ہی وہ راستہ تھا جس پر سے قریش کے تجارتی قافلے گزرا کرتے تھے۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ انھی کی طرح کے ایک صاحب ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کی قید سے فرار ہو کر عیص پہنچ گئے۔ اب تو ان جیسے اور لوگوں کو ایک راستہ مل گیا...... ظلم وستم کی چکی میں مسلسل پسنے والے ان لوگوں میں سے جسے بھی موقع ملتا، وہ وہاں پہنچ جاتا۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں مسلمانوں کی ایک اچھی بھلی جماعت جمع ہوگئی۔

اب یہ لوگ مشرکین سے انتقام لینے کی پوزیشن میں آ گئے۔ ان حضرات نے مشرکین سے انتقام لینے کی ایک عجیب ترکیب سوچی، جب بھی قریش کا کوئی تجارتی قافلہ اس راستے سے گزرتا تو یہ لوگ پہلے سے تاک میں بیٹھے ہوتے تھے، فوراً اٹھ کر اس پر حملہ کر دیتے، قافلے میں تباہی مچا دیتے۔ ان کا سارا سامان لوٹ لیتے تھے۔ اس طرح قریش کی تجارت خطرے میں پڑ گئی۔ یہ گوریلا جنگ یعنی چھاپہ مار لڑائی کی ابتدائی شکل تھی۔ اس لحاظ سے ہم صحابہ کرام کے اس قافلہ کو گوریلا جنگ کا موجد کہہ سکتے ہیں۔ آخر انھوں نے تنگ آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا:

''آیندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا، وہ آزاد ہوگا۔ آپ اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔''

ساتھ ہی انھوں نے صلہ رحمی کا واسطہ دیا اور درخواست کی:

''عیص میں ٹھہرنے والے مسلمانوں کو روکیے، وہ ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے نہ کریں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی اور انھیں اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ لوگ مدینہ آجائیں۔ باقی اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اس موقعے پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

''اللہ وہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، قابو پانے کے بعد۔'' (سورہ فتح:۲۴)

جب انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک ملا تو ان کی وفات کا وقت قریب تھا۔ خط مبارک ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے۔ خط پڑھتے پڑھتے ہی ان کی روح جسم کا ساتھ چھوڑ گئی اور آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور عیص ہی میں دفن ہوئے۔ قریب ہی ان کی یاد میں ایک مسجد بنائی گئی۔ اس کے بعد ابوجندل رضی اللہ عنہ مدینہ آگئے۔ دوسرے مسلمان اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

جن کے حالات آپ نے پڑھے، ان کا نام حضرت عتبہ بن اُسید ثقفی رضی اللہ عنہ

تھا۔ یہ اپنی کنیت ابوبصیر سے مشہور ہیں۔ ان کا تعلق طائف کے جنگ جو قبیلے بنوثقیف سے تھا، لیکن قریش سے قریبی تعلقات ہونے کی بنا پر طائف سے مکہ آ کر رہائش اختیار کر لی تھی، چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا، اسلام کی دعوت دی تو یہ فوراً ہی ایمان لے آئے تھے۔

اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

مرداس کا بیٹا

باپ نے انھیں ایک بت دیا۔ بت کا نام ضمار تھا۔ یہ اس کی پوجا کرنے لگے، اس لیے کہ باپ نے یہی حکم دیا تھا۔ ان کا پورا قبیلہ بتوں کی پوجا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت وہ ضمار کی پوجا کر رہے تھے کہ انھیں محسوس ہوا، کوئی کہہ رہا ہے:

''نبی آخرالزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور ضمار کی بربادی کا وقت آ گیا ہے۔''

چند دن بعد انھوں نے ایک کڑک دار آواز سنی، وہ اس وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ کڑک دار آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ بولنے والا نظر تو نہ آیا، البتہ وہ کہہ رہا تھا:

''پیغمبر آخرالزمان کا ظہور ہو چکا ہے اور ضمار کی بربادی کا وقت آ گیا ہے۔''

اب تو ان کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، انھوں نے ضمار کو آگ میں ڈالا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔

ان کا نام حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ تھا، یہ مشہور صحابیہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا شاعرہ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا عرب کی مشہور شاعرہ تھیں، ان کی تربیت کے اثر سے حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ بھی شاعر تھے۔ اپنے قبیلے بنوسلیم کے سردار بھی تھے۔ گھوڑوں کی سواری کے ماہر تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی شراب نہیں پیتے تھے بلکہ شراب سے نفرت کرتے تھے۔

جن دنوں انھوں نے اسلام قبول کیا، ان دنوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی فتح کی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں اور قبیلے کے مسلمانوں کو ساتھ ملا کر القدید کے مقام پر آ جائیں، چنانچہ یہ واپس اپنے قبیلے میں گئے۔ پر اثر انداز میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ بنوسلیم کے زیادہ تر لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے بتوں کو جلا کر اسلام لے آئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی بنت ضحاک نے اسلام قبول نہ کیا، الٹا ان کے اسلام لانے پر سخت ناراض ہوئی، انھیں برا بھلا کہہ کر اپنے خاندان والوں میں چلی گئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور رمضان ۸ ہجری یعنی فتح مکہ کے موقعے پر اپنے قبیلے کے نوسو مسلح بہادر سواروں کے ساتھ القدید کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ مکہ میں داخلے کے وقت آپ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اس طرح وہ ان دس ہزار نفوس میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں

سینکڑوں سال پہلے آسمانی کتاب تورات میں یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کے ساتھ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوں گے۔

اس موقعے پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی شاعری کا نمونہ پیش کیا، ایک قصیدہ کہا جس میں اس فتح پر حد درجے خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ اوطاس میں شرکت کی، انھیں مال غنیمت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ عطا فرمایا۔غزوہ طائف میں بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔مورخ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہر لڑائی میں فتح پر پرجوش قصیدہ کہتے تھے۔

۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقعے پر بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

آپ کی وفات کا سال معلوم نہیں ہوسکا۔مورخوں نے اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔بس اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ تھے۔ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے قریب آباد ہو گئے تھے۔وہاں سے اکثر بصرہ میں آتے رہتے تھے، وہاں کے لوگ ان سے احادیث سنا کرتے تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

سخی کا بیٹا

وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ان کی شہرت دور دور تک تھی۔ان کا باپ اپنے وقت کا بہت بڑا سخی تھا۔اس کی نسبت سے یہ بھی بہت سخی تھے۔پھر ایسا ہوا کہ انھیں خبر ملی، اسلامی لشکر ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑتا چلا آ رہا ہے اور اب اس کا رخ ان کے قبیلے کی طرف ہے تو یہ بہت پریشان ہوئے، اپنی سرداری ہاتھ سے جاتی نظر آئی۔ اسلام کے بارے میں پہلے ہی سن سن کر پریشان ہوتے رہتے تھے۔خود عیسائی تھے اور عیسائی مذہب کو حق پر سمجھتے تھے۔اسلام کے سیلاب کو روکنا انھیں ناممکن محسوس ہوا۔ان دنوں کی اپنی حالت خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ہر طرف سے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے مگر مجھے اپنے دین کی صداقت پر پورا یقین تھا۔ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔اب میرے دل میں اپنی حکومت اور دین دونوں کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا۔اسی زمانے میں ایک دن کسی شخص نے

آ کر بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کسی دن قبیلہ (طے) کے سردار کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں یہ بات سن کر دہشت زدہ ہو گیا۔ ایک غلام کو حکم دیا کہ ہر وقت سفر کا سامان تیار رکھے اور جونہی اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سنے، مجھے اطلاع دے، ایک دن وہ غلام صبح سویرے دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور بولا:

"آقا! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر بڑھتا چلا آ رہا ہے۔"

گھوڑوں پر زینیں پہلے ہی کسی ہوئی تھیں، سامانِ سفر بالکل تیار تھا، میں نے اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیا اور سیدھا شام کا رخ کیا۔ وہاں میری عیسائی برادری رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر میں نے جوشیہ نامی بستی میں رہائش اختیار کر لی۔ گھر سے اس قدر بدحواسی کے عالم میں روانہ ہوا تھا کہ اپنی بہن کو ساتھ لینے کا خیال نہ رہا اور وہ وہیں رہ گئی۔ پھر جب اسلامی لشکر نے میرے قبیلے پر حملہ کیا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی قیدی بنا لیا گیا۔"

یہ صاحب حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ واقعہ ۹ ھ میں پیش آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پچاس مجاہدین کا ایک دستہ دے کر بنو طے کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو قبیلے کے سردار عدی بن حاتم طائی پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ معمولی سی جنگ کے بعد قبیلے کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، ان سب کو قیدی بنا کر مدینہ لایا گیا، ان میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بنتِ

حاتم رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

ان لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سفانہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر کہا:

''اے صاحبِ قریش! مجھ بے کس پر رحم کیجئے۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے اور بھائی مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میرے والد قبیلے کے سردار تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ یتیموں کی مدد کرتے تھے، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے تھے، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے تھے، قیدیوں کو رہائی دلواتے تھے، کمزوروں کی مدد کرتے تھے، مظلوموں کا ساتھ دیتے تھے، ظالموں سے لڑتے تھے، میں اس حاتم طائی کی بیٹی ہوں جس کے دروازے سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ آپ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں تاکہ میری وجہ سے عربوں پر کوئی حرف نہ آئے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفانہ رضی اللہ عنہا کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

''اے خاتون! تو نے اپنے والد کی جو صفات بیان کی ہیں، یہ صفات تو مسلمانوں کی ہیں، اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم ان سے اچھا سلوک کرتے۔''

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس عورت کو چھوڑ دو، یہ ایک نیک باپ کی بیٹی ہے، کوئی عزت دار ذلیل ہو جائے یا کوئی مال دار محتاج ہو جائے تو اس کے حال پر ترس کھایا کرو۔''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر سفانہ رضی اللہ عنہا کو رہا کر دیا گیا، لیکن وہ پھر بھی وہیں کھڑی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا:

''کیوں! کیا بات ہے؟''

اس پر سفانہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جس باپ کی بیٹی ہوں، اس کا یہ دستور نہیں تھا کہ قوم مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ خود سکھ کی نیند سو جائے۔ جہاں آپ نے مجھ پر رحم فرمایا ہے، وہاں میرے ساتھیوں پر بھی رحم فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزا دے گا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفانہ رضی اللہ عنھا کی درخواست سن کر خوش ہوئے اور حکم فرمایا:

''سارے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفانہ رضی اللہ عنہا کے لیے سواری، لباس اور سامان سفر کا انتظام فرمایا اور انھیں ایک قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سفانہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ ان کا بھائی کہاں گیا ہے لہٰذا وہ سیدھی وہاں پہنچیں۔ بھائی پر نظر پڑتے ہی بہن بول اٹھی:

''تم کیسے بھائی ہو، اپنے بیوی بچوں کو لے آئے اور بہن کو چھوڑ آئے؟''

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بہن کے الفاظ سن کر شرمندہ ہوئے، اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ بہن نے بھائی کی معافی قبول کر لی۔ اس وقت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے

پوچھا:

''صاحبِ قریش کیسے آدمی ہیں؟''

یعنی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

بہن نے فوراً کہا:

''جس قدر جلد ہو سکے، ان سے مل لو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں پہل کرنا تمہارے لیے بہتر ہوگا، اگر بادشاہ ہیں، تو بھی تمہیں ان سے عزت ملے گی۔''

جونہی حضرت عدی بن حاتم نے بہن کے یہ الفاظ سنے، گھوڑے پر سوار ہو گئے اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔

مدینہ منورہ پہنچے تو بہت سے لوگوں نے انھیں پہچان لیا اور پکار اٹھے:

''ارے! یہ تو عدی بن حاتم ہے۔''

کسی نے انھیں کچھ نہ کہا، یہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پوچھا۔ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے لیا۔ اسی حالت میں گھر کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں ایک بوڑھی عورت اور پھر ایک نوعمر لڑکے نے آپ کو روک لیا، وہ دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے رہے۔ جب انھوں نے اپنی بات ختم کی، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور دل میں کہا:

''یہ طریقہ کسی دنیاوی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

گھر پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق دیکھ کر حضرت عدی کو پختہ یقین ہو گیا کہ یہ دنیاوی بادشاہ نہیں ہیں۔ ایسے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عدی! تم آج تک اسلام سے بھاگتے رہے، حالانکہ یہ دین ہر قدم پر سلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔''

اس کے جواب میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں عیسائی ہوں اور میرا دین بھی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے۔''

جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے دین کو میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔''

یہ بات سن کر حضرت عدی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے، بولے:

''آپ میرے دین کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں؟''

''ہاں! کیا تم اپنے قبیلے کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اپنے علاقے کی پیداوار کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جی ہاں! میں ایسا کرتا ہوں۔'' عدی رضی اللہ عنہ بولے۔

''تو کیا یہ دین عیسوی میں جائز ہے؟''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اس بات کا جواب نہ دے سکے...... کیونکہ اس طرح چوتھا حصہ لینا دینِ عیسوی میں واقعی نا جائز تھا۔ اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عدی! تم سوچ رہے ہو، مسلمان غریب قوم ہے، ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں، یہی سوچ کر تم اسلام قبول نہیں کر رہے، لیکن بہت جلد تم دیکھو گے کہ یہی مسلمان کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر قابض ہو جائیں گے۔''

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عجیب ارشاد سن کر بہت حیران ہوئے، کیونکہ اس وقت ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کسریٰ بہت بڑی طاقت کا نام تھا بلکہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑی طاقت کسریٰ کی تھی۔ چنانچہ انھوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا:

''کیا کہا آپ نے... کسریٰ بن ہرمز کے خزانے مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں گے۔''

''ہاں! بالکل... مال اور دولت کی اس قدر زیادتی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کر دیں گے، کسریٰ کا سفید محل مسلمانوں کے قبضے میں ہوگا اور اے عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟''

عدی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں حیرہ گیا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں سنا ضرور ہے۔''

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عدی! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ وقت آنے والا ہے جب اسلام کی برکت سے ایک پردہ نشین خاتون تنہا حیرہ سے آ کر کعبے کا طواف کرے گی اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔''

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بالکل یہ منظر آنکھوں سے دیکھا۔ جب پردہ نشین خاتون نے تنہا حیرہ سے آ کر کعبے کا طواف کیا اور پھر اسی طرح اپنے وطن کی طرف لوٹ گئی۔

اس گفتگو کے بعد عدی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان لانے پر حد درجے خوش ہوئے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے قبیلے کو اسلام سے نہ پھرنے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے اپنے قبیلے کے ساتھ عراق اور شام کی بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا، آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑتے رہے۔ پھر کسریٰ کے خزانوں پر مسلمانوں کو قبضہ کرتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس وقت انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی یاد آ گئی۔ شام کی کئی لڑائیوں میں حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ۶۷ھ میں آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔

سخاوت اور بخشش انھیں باپ کی طرف سے ملی تھی۔ کوئی سائل آپ کے دروازے سے خالی نہیں جاتا تھا۔ لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کچھ دیگیں مانگیں۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے انھیں دیگیں بھر کر بھجوادیں۔ انھوں نے کہا:

میں نے تو خالی دیگیں مانگی تھیں، آپ نے بھر کر بھیج دیں، جواب میں کہلا بھیجا:

''خالی دیگ کسی کو دینا میری عادت کے خلاف ہے۔''

چیونٹیوں تک کے لیے ان کی طرف سے خوراک مقرر تھی، روٹیوں کا چورا کر کے ان کے بلوں میں ڈالا کرتے تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

بہادر بہن بھائی

مسلمانوں کے لشکر نے ۱۳ہجری میں دمشق پر حملہ کیا اور اس کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ رومیوں کے بادشاہ نے دمشق والوں کی مدد کے لیے ایک بڑا لشکر روانہ کر دیا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو انھوں نے اپنی فوج کے ایک سالار کو طلب کیا، اسے پانچ سو سوار دیے اور فرمایا:

''رومیوں کا ایک لشکر دمشق کی طرف آ رہا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو ہمیں دمشق کا محاصرہ ختم کرنا پڑے گا، اس لیے تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور انھیں اس طرف آنے سے روک دو۔''

یہ نوجوان حضرت ضرار بن ازور اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ اپنی جانبازی اور دلیری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ حکم سنتے ہی یہ اپنے پانچ سو سواروں کو لے کر آندھی اور طوفان کی طرح روانہ ہوئے۔ دمشق کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا، اس کی تعداد دس ہزار سے کسی طرح کم نہیں، جب کہ وہ صرف پانچ سو تھے۔ گویا دشمن بیس گنا تھے۔ اس وقت

بعض مسلمانوں نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اتنی بڑی تعداد سے لڑنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مدد طلب کی جائے اور جب کمک آ جائے، تب ان پر حملہ کیا جائے۔ یہ سن کر حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے پر جوش لہجے میں کہا:

''اللہ کی قسم! میں تو یہاں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹوں گا، جو لوگ جانا چاہیں، انھیں میری طرف سے اجازت ہے، میں تو اپنی جان اللہ کی راہ میں بیچ چکا ہوں۔''

ان کے الفاظ سن کر دوسرے مسلمان بھی جوش میں بھر گئے۔ انھوں نے فوراً کہا:

''یہ تو ایک مشورہ تھا، ورنہ ہم بھی سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔''

اب سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور دشمن پر بجلی کی طرح کوندے۔ رومیوں کا خیال تھا، ان مٹھی بھر آدمیوں کو ہم آن کی آن میں ٹھکانے لگا دیں گے، لیکن ان کی یہ خوش فہمی بہت جلد ہوا ہوگئی۔ کیونکہ یہ سب لوگ بھی آخر بڑے تجربہ کار تھے، ان کی کمان رومی بادشاہ ہرقل کا ایک نامور سپہ سالار وردان کر رہا تھا، اس لیے جب ان پانچ سو جانبازوں نے لڑائی شروع کی تو انھیں اپنے تجربے کی بنا پر معلوم ہوگیا کہ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے، لیکن انھیں شکست دینا خالہ جی کا گھر نہیں، حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے اس موقعے پر اس قدر شجاعت کے جوہر دکھائے کہ ان کے ساتھی بھی جوش میں بھر گئے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنا کرتہ اتار پھینکا، ایک نیزہ ہاتھ میں لے لیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کسی شیر کی طرح رومیوں کی طرف بڑھے۔ ان گنت رومی جنگجو جو اپنے سالار کی حفاظت کر رہے تھے، وہ حضرت ضرار

رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، انھوں نے بھی ان رومیوں کو اپنے نیزے کی انی پر رکھ لیا، یہ نیزہ بازی کے بہت ماہر تھے، صرف ایک نیزے سے لڑتے تھے، وردان کی حفاظت کرنے والوں میں اس کا بیٹا حمران بھی شامل تھا، وہ بھی بہت بڑا جنگ جو تھا، اس نے اپنے فوجیوں کو شرم دلائی کہ وہ ایک آدمی پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہ کہہ کر اس نے غصے کی حالت میں اپنے نیزے سے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ پر وار کیا، وہ پہلے ہی بہت سے رومیوں میں گھرے ہوئے تھے، اس کے نیزے سے ان کا بازو زخمی ہو گیا، لیکن انھوں نے اس زخم کی پروا نہ کی، زخمی بازو سے ہی اپنا نیزہ حمران کو دے مارا۔ حمران زخمی ہو کر گرا اور خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ رومیوں نے اس کے گرنے پر اپنا گھیرا اور تنگ کر لیا، ایسے میں کچھ اور مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا کر حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بڑھے، عین اسی لمحے حضرت ضرار کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ زمین پر گر پڑے، بے شمار رومیوں نے انھیں چھاپ لیا، پھر انھیں اور ان چند مسلمانوں کو گرفتار کر لیا جو ان کی مدد کے لیے ان کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ گرفتار ہونے والے ان مسلمانوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ راستے میں کسی طرح خود کو چھڑا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور سیدھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کا علم ہوا تو وہ بے حد غمگین ہوئے۔ دمشق کے محاصرے پر میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کو ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ چھوڑا۔ خود باقی فوج کو

لے کر روانہ ہوئے، راستے میں انھوں نے ایک نقاب پوش کو سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار فوج سے آگے نکلتے دیکھا۔ وہ بہت تیزی سے میدان جنگ کی طرف جاتا نظر آیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کوئی اور مجاہد بھی اس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سوار پوری فوج سے آگے نکل گیا۔

جب اسلامی لشکر رومی لشکر کے نزدیک پہنچا تو اس وقت مسلمانوں نے دیکھا، وہ نقاب پوش سوار رومیوں سے بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ وہ جدھر کا رُخ کر لیتا تھا، رومیوں کو کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ انھیں زخم پر زخم لگاتا تھا، خود بھی زخم پر زخم کھاتا تھا، لیکن ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بہت حیران ہوئے۔ ایک بار پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں پوچھا، لیکن کسی مجاہد کو اس کے بارے میں معلوم نہ تھا۔ اتنے میں نقاب پوش رومیوں کو مارتا کاٹتا اپنے خون میں نہایا ہوا نکلا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے پاس پہنچے اور پکارے:

''اے جانباز! تو نے جانبازی کا حق ادا کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخ رُو جائے گا، تجھ جیسے سرفروشوں کو نقاب پوشی کی کیا ضرورت، اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے، میں دیکھوں تو سہی، تو کون ہے؟''

نقاب پوش نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا، خاموشی اختیار کی، لیکن جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بار بار پوچھا تو اس نے کہا:

”اے امیر! میں ضرار بن ازرو کی بہن خولہ بنت ازرو ہوں، میں اپنے بھائی کی گرفتاری کی خبر سن کر بے چین ہوگئی، خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اسے دشمن کے پنجے سے رہائی دلانے کے لیے مجاہدین کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی۔ اب یا میں اسے رہائی دلاؤں گی یا پھر اپنی جان قربان کردوں گی۔“

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کی بہادری سے اور زیادہ متاثر ہوئے، فرمایا:

”جس قوم میں تم جیسی بیٹیاں ہوں، اسے کوئی قوم شکست نہیں دے سکتی، تم بے فکر رہو، اگر ضرار زندہ ہے تو ان شاء اللہ ہم اسے چھڑا کر رہیں گے اور اگر اسے شہید کر دیا گیا ہے، تو ہم بھی ان لوگوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے یا انھیں ختم کر دیں گے۔“

یہ کہہ کر انھوں نے اپنی فوج کے خاص دستوں کے ساتھ دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی زبان پر اپنے بھائی کی یاد میں درد بھرے اشعار تھے۔

ان کے اشعار نے مجاہدین میں اور آگ بھر دی۔ وہ دیوانہ وار لڑتے ہوئے آگے بڑھے اور ضرار رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگے۔ اس دوران رومیوں کا ایک دستہ گرفتار ہوگیا۔ اس دستے کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انھوں نے ان رومیوں سے پوچھا:

”ہمارا ایک ساتھی جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر ننگے بدن لڑ رہا تھا، تم لوگوں کے ہاتھوں

گرفتار ہو گیا تھا، تم نے اسے کہاں رکھا ہے؟''

رومیوں نے بتایا:

''اس شخص کو ہمارے سردار نے سو سواروں کے ساتھ حمص روانہ کردیا ہے تاکہ اسے شاہ ہرقل کے سامنے پیش کیا جاسکے۔''

یہ سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوراً رافع بن عمیر طائی کو حکم دیا:

''سو سوار لے کر بجلی کی تیزی سے حمص کے راستے پر جاؤ اور ضرار کو رومیوں کے قبضے سے چھڑا لاؤ۔''

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس دستے کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی اور ساتھ ہولیں۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد آخر انھیں وہ دستہ نظر آ گیا۔ انھوں نے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو باندھ کر اونٹوں پر لاد رکھا تھا۔

یہ منظر دیکھتے ہی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ضبط نہ کرسکیں اور شیرنی کی طرح ان رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ مجاہدین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ آن کی آن میں انھوں نے ان سو سواروں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ بھائی بہن گلے ملے اور رو پڑے۔ یہاں سے روانہ ہو کر یہ لوگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے۔ مسلمانوں کو ان کی رہائی سے بہت خوشی ہوئی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے بعد پھر دمشق کا رخ کیا، ایسے میں انھیں اطلاع ملی، ہرقل نے ایک زبردست فوج اجنادین بھیج دی ہے۔ حضرت

ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دمشق سے عارضی طور پر فوج ہٹا کر اجنادین کا رُخ کیا۔ مسلمان دمشق سے روانہ ہوئے۔ ایسے میں دو رومی سرداروں نے اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے حملہ کر دیا۔ اس حصے میں عورتیں تھیں۔ حملہ اچانک تھا، مسلمانوں کے سنبھلنے سے پہلے رومیوں کا یہ لشکر کچھ مسلمان عورتوں کو پکڑ کر لے گیا۔ ان عورتوں میں حضرت ضرار بن ازور کی بہن حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب رومیوں نے ایک جگہ آرام کرنے کے لیے پڑاؤ ڈالا تو خولہ رضی اللہ عنہا نے دوسری قیدی خواتین سے کہا:

''بہنو! ہم عرب کے بہادروں کی بیٹیاں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہیں، ہمیں ان مشرکوں کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے۔''

جواب میں انھوں نے کہا:

''بات تو بالکل ٹھیک ہے لیکن ہتھیاروں کے بغیر ہم رومیوں کا مقابلہ کس طرح کریں۔''

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے فوراً کہا:

''اصل بہادری یہی ہے کہ ہتھیار نہ ہوتے ہوئے بھی اللہ کے دشمنوں کے سامنے ڈٹ جائیں، آؤ خیموں کی چوبیں (وہ لمبی لمبی لکڑیاں جن پر خیمے کھڑے کیے جاتے ہیں) اکھاڑ لیں اور ان سے رومیوں کے سر توڑ ڈالیں، رہائی حاصل کر لیں یا شہید ہو جائیں۔''

تمام عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انھوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں۔ حضرت خولہ

رضی اللہ عنہا نے انھیں ایک دائرے کی صورت میں کھڑا کیا، پھر اشعار پڑھتے ہوئے رومیوں کی طرف بڑھیں۔ رومیوں نے جو عورتوں کا دائرہ اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو حیران ہوئے اور فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، انھوں نے چاروں طرف سے عورتوں کو گھیر لیا، جونہی رومی ان کے نزدیک ہوئے انھوں نے چوبوں کو تلواروں کی طرح چلانا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں کے سر پھاڑ ڈالے۔ رومی بوکھلا اٹھے۔ عورتوں کے ہاتھ اس قدر تیزی سے چل رہے تھے گویا بجلیاں کوندرہی ہوں۔ وہ رومیوں کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہیں دے رہی تھیں۔ یہ مقابلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ رومیوں کا غصہ لحمہ بہ لحمہ بڑھتا جا رہا تھا، کیونکہ چند نہتی عورتیں ان کے لیے ایک مسئلہ بن گئی تھیں۔ اس دوران حضرت خالد بن ولید اور حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہما ایک تیز رفتار دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ یہ عین اس وقت پہنچے جب رومی پوری طرح، چاروں طرف سے عورتوں کو گھیر چکے تھے اور وہ چوبوں سے ان پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھیں۔ اس وقت تک بہت سے رومیوں کو جہنم میں پہنچا چکی تھیں۔ اسلامی لشکر نے وہاں پہنچتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ بلند لگایا اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے، رومی بدحواس ہو گئے، سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنے دستے کے ساتھ ان رومیوں کا تعاقب کیا، انھیں مارتے کاٹتے چلے گئے، رومی دمشق کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ان حضرات نے دمشق کے دروازے تک ان کا تعاقب جاری رکھا۔

عورتوں نے اس غیبی مدد پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر اجنادین کی طرف بڑھا۔ وہاں رومی سپہ سالار وردان ۲۰ ہزار فوج لیے پڑا تھا۔ اس لڑائی میں حضرت

ضرار رضی اللہ عنہ نے عجیب بہادری دکھائی۔ اپنا نیزہ لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور آن کی آن میں تیس رومیوں کے سینے چھید ڈالے۔ رومیوں نے ان کے مقابلے پر اپنے کئی بڑے جنگ جو یکے بعد دیگرے بھیجے، لیکن ہر ایک نے خاک چاٹی۔

حضرت ضرار بن ازور کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ یہ قبیلہ خیبر کے پاس آباد تھا۔ آپ اپنے قبیلے کے ساتھ ۹ ہجری میں ایمان لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مدت رہ کر دین کا علم سیکھا۔ بہت جری اور دلیر تھے، نیزے کی لڑائی کے ماہر تھے۔ اسی طرح ان کی بہن حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بھی بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کذاب اور مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ دمشق او اجنادین کی لڑائیوں کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ دونوں بھائی بہن غضب کے جنگ جو تھے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی شہادت میں اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ مورّخین کا کہنا ہے، آپ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے، کچھ کہتے ہیں شہید ہوئے ہی نہیں، وہ اور ان کی بہن طاعون کی وبا میں فوت ہوئے۔

دونوں چاہے جس طرح بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں...... ان کی مجاہدانہ زندگی قابلِ رشک تھی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔ آمین۔

☆☆☆

میں کامیاب ہو گیا

ایک شخص مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ کچھ مسلمانوں کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ تاکہ وہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔''

یہ شخص قبیلہ بنو کلب کا رئیس تھا۔ نام تھا ابو براء عامر بن مالک۔ نجد سے آیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست سن کر فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو براء کے بھتیجے عامر بن طفیل نے چند دن پہلے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا تھا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے اپنا جانشین بنا لیں، یا پھر مدینے والوں پر آپ حکومت کریں اور نجد پر میری حکومت تسلیم کر لیں، اگر آپ نے میری بات کو منظور نہ کیا تو میں ہزاروں جنگ جو لے کر مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔''

ابو براء عامر بن مالک کی درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عامر بن طفیل کے پیغام پر غور کرنے لگے، ادھر ابو براء نے بار بار یقین دلایا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جائے گا اوران کی سلامتی کا ضامن ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو براء کی یقین دہانی پر ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت حرام بن ملحان انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نجد کی طرف بھیجا۔ ان میں زیادہ تعداد انصار اور اصحاب صفہ کی تھی۔ یہ حضرات قرآن کریم کے حافظ تھے اور قراء کے لقب سے مشہور تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو ایک خط بھی دیا۔ یہ خط عامر بن طفیل کے نام تھا۔ (بخاری)

یہ حضرات مدینے سے رخصت ہوئے اور بیئر معونہ نامی مقام پر پہنچے۔ یہ مقام مکہ معظّمہ اور عسفان کے درمیان واقع تھا۔ اس مقام کے ایک طرف بنی عامر آباد تھے۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ سیدھے عامر بن طفیل کے پاس گئے اور خط اسے دیا۔ اس بدقسمت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پڑھنے کی بھی زحمت نہ کی اور اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس شخص نے پیچھے سے آ کر اپنا نیزہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی کمر میں مارا۔ نیزہ کمر کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے خون چلّو میں لے کر اپنے چہرے اور سر پر ملا اور پکار اٹھے:

رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

اس کے ساتھ ہی زمین پر گرے اور شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد عامر بن

طفیل نے اپنے قبیلے بنو عامر کو حکم دیا:

''ان مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو اور انھیں قتل کر دو۔''

اس نے آس پاس کے دوسرے قبیلوں کو بھی بلا لیا۔ سب نے مل کر آن کی آن میں ستر صحابہ پر حملہ کر دیا اور سوائے دو کے ان سب کو شہید کر ڈالا۔ بچ جانے والے دو صحابہ میں سے ایک کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ تھے، یہ اس حد تک زخمی ہو گئے تھے کہ ان ظالموں نے انھیں مردہ خیال کیا۔ اس طرح یہ بچ گئے، دوسرے صحابی عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ گرفتار ہو گئے تھے، لیکن پھر ان کی قید سے بچ نکلے۔

عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر یہ افسوس ناک خبر سنائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ پہنچا۔ آپ عام طور پر کسی کے لیے بددعا نہیں فرماتے تھے، لیکن اس سانحے نے آپ کو اس قدر رنجیدہ کر دیا تھا کہ آپ ایک ماہ تک ان قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ یاد رکھا۔ آپ کبھی کبھی ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔

حکیم بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر دوسروں کو تعلیم دیتے رہے۔ حضرت ام سُلَیم رضی اللہ عنہا اور ام حرام رضی اللہ عنہا ان کی بہنیں تھیں۔ یہ رشتے میں نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔

مسلم میں ہے کہ یہ اکثر قرآن پڑھا کرتے تھے اور رات کو قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے قاری کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اور صبح تک نماز پڑھتے تھے۔ دن میں اصحابِ صفہ کی خدمت کرتے رہتے۔ مسجدِ نبوی میں پانی بھر کر رکھتے، جنگل سے لکڑیاں لاتے تھے۔ ان کو فروخت کر کے اصحابِ صفّہ اور دوسرے مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرتے۔ بہت بااخلاق تھے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب ہو گئے تھے۔

رمضان ۲ ہجری میں غزوۂ بدر میں حصہ لیا۔ ۳ ہجری میں غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔

جس شخص نے عامر بن طفیل کے اشارے پر ان کی کمر میں نیزہ مارا تھا، اس کا نام جبار بن سلمٰی تھا۔ اس نے بعد میں لوگوں سے پوچھا، حرام بن ملحان کے اس جملے کا کیا مطلب تھا، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ اس جملے سے ان کا مطلب تھا، میں جنت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سن کر جبار نے کہا:

''اللہ کی قسم! انھوں نے سچ کہا تھا۔''

یہ کہہ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی فرمایا کرتے

تھے:

''مجھے امِ حرام اور ام سُلیم پر ترس آتا ہے۔ ان کے بھائی نے مظلومانہ شہادت پائی ہے۔''

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

خوشبو

غزوہ بدر کے کافی مدت بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وادیٔ صفرا سے ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ اس وادی میں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ ایسے میں ہوا چلنے لگی۔ ہوا میں مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کہیں سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے اور بہت تیز خوشبو ہے۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، یہاں ابو معاویہ کی قبر ہے، یہ خوشبو ان کی قبر سے آ رہی ہے۔''

حضرت ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام عبیدہ بن حارث مطلبی تھا۔ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔

آپ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ ابو معاویہ ان کی کنیت تھی۔ ان کا تعلق بنو عبد مناف کی شاخ بنو مطلب سے تھا اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم بن عبد

مناف کے بھائی مطلب کے پوتے تھے۔اس طرح رشتے میں آپ کے چچا تھے۔عمر میں آپ سے دس سال بڑے تھے۔آپ بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ جب آپ ایمان لائے، جوانی کی عمر گزر چکی تھی اور بڑھاپا شروع ہو چکا تھا۔قریش نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں سے معاشرتی تعلق توڑ لیا اور آپ شعب ابی طالب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تو باقی لوگوں میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ تین برس اس وادی میں گزارے۔ یہ تین سال اس قدر تکلیف دہ تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت کی گئی تو عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت عبداللہ بن سلمہ العجلانی کے مکان میں ٹھہرے، ہجرت کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ کی بہت قدر تھی، اس لیے آپ کو شیخ المہاجرین کا لقب ملا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زمین کا ایک ٹکڑا بھی عنایت فرمایا۔ مکے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کرایا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنایا تھا۔ جب مہاجرین اور انصار کا بھائی چارہ کرایا تو حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

غزوہ بدر سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے ساٹھ کے قریب صحابہ کو روانہ فرمایا۔ان کی قیادت حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ ان صحابہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے بڑے اور پر جوش

صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ مہم سَرِیّہ عبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ سریہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوئے ہوں۔

۱۷ر رمضان المبارک کو بدر کے میدان میں ایک ہزار کفار کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ۳۱۳ جان نثاروں کو لے آئے۔ ان میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ عام لڑائی سے پہلے جب کافروں میں سے تین نامی گرامی بہادر عتبہ، شیبہ اور ولید نکل کر سامنے آئے اور مقابلے کے لیے للکارا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو ان کا مقابلہ کرنے کا حکم فرمایا۔

تینوں جواں مرد میدان میں نکلے، لڑائی شروع ہوئی۔ عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اور ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور شیبہ میں دیر تک مقابلہ جاری رہا، آخر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اس کے ایک وار سے زخمی ہو گئے، ان کی پنڈلی پر زخم آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر شیبہ کو جہنم رسید کیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو میدان سے اٹھا لائے۔

انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ انھیں شدید زخمی پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا، آپ نے انھیں تسلی دی۔ اس وقت حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! کیا مجھے شہادت کی موت نصیب نہیں ہو گی؟"

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلاشبہ تمہیں شہادت کا رتبہ ملے گا اور تم نیک لوگوں کے پیشوا ہو۔''

آپ کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت عبیدہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، عرض کی:

''آج اگر ابو طالب زندہ ہوتے اور مجھے اس حالت میں دیکھ لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا، جو الفاظ انھوں نے کہے تھے، ان کے حق دار در اصل ہم ہیں۔''

ابو طالب نے کہا تھا:

''ہم رسول اللہ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد جانیں دیں گے۔ اور اپنے اہل و عیال سے بے نیاز ہو جائیں گے۔''

مطلب آپ کا یہ تھا کہ ان کے الفاظ کو پورا تو ہم نے کیا ہے، بدر میں شان دار فتح کے بعد اسلامی لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آ پہنچا، ان کی روح وادی صفرا میں پہنچ کر پرواز کر گئی۔

انھیں وہیں دفن کیا گیا۔ ایک مدت تک ان کی قبر سے مشک کی خوشبو اٹھتی رہی۔

اللہ اکبر! یہ مقام ہے اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے ایک عاشقِ رسول کا۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ ان کے ہاں چار لڑکیاں اور چھے لڑکے ہوئے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

لاش پر سے گزر جاؤ

رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت خوں ریز لڑائی ہو رہی تھی۔ اس لڑائی میں ایک مجاہد ہشام رضی اللہ عنہ بہت زیادہ سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ ایک موقعے پر مسلمانوں میں کچھ کمزوری کے آثار دکھائی دیے تو ان پر اور زیادہ جوش سوار ہو گیا۔ انھوں نے سر سے خود اتار کر پھینک دیا اور للکارے:

"مسلمانو! یہ کافر ہماری تلواروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں، تم بھی وہی کرو۔"

یہ کہہ کر وہ مردانہ وار تلوار چلاتے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے اور مارتے کاٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ رومی لشکر کے درمیان میں پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے۔

"مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں، آؤ میرے ساتھ جنت تمہاری منتظر ہے، میرا ساتھ نہیں دو گے تو گویا جنت سے بھاگتے ہو۔"

اسی طرح مردانہ وار لڑتے اور آگے بڑھتے رہے۔ رومیوں نے انھیں ہر طرف سے پوری طرح گھیر لیا۔ ان پر چاروں طرف سے تلواریں برسنے لگیں۔ وار پر وار ہونے لگے۔ وہ بھی بلا کی تیزی سے تلوار گھمار ہے تھے، اس طرح انھوں نے مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے بہت سے رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر خود بھی شہادت کا جام نوش فرمایا، اس وقت یہ لڑتے لڑتے ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہو گئے تھے، وہیں ان کی شہادت ہوئی، گھاٹی میں سے ایک وقت میں ایک آدمی گزر سکتا تھا، گھاٹی کے دوسری طرف صرف چند مسلمان رومیوں کی بھاری تعداد کے گھیرے میں آ چکے تھے، دوسرے مسلمانوں کو ان کی مدد کے لیے پہنچنا تھا، لیکن گھاٹی میں حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی لاش ان کا راستہ روک چکی تھی۔ ایسے میں ان کے بھائی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھاٹی تک پہنچ گئے، صورت حال دیکھ کر وہ پکارے:

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کو شہادت سے سرفراز فرمایا ہے، اس کی روح کو اپنے پاس بلا لیا ہے، یہاں تو صرف اس کا جسم ہے، اس لیے تم لاش کے اوپر سے گزر جاؤ۔''

یہ کہہ کر انھوں نے خود اپنا گھوڑا اسب سے پہلے آگے بڑھایا اور بھائی کی لاش کے اوپر سے گزر گئے۔ ان کے پیچھے دوسرے مجاہدین بھی گھاٹی عبور کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لڑائی میں رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی، یہ جنگ جنگِ اجنادین تھی۔ لڑائی ختم ہونے پر حضرت عمرو

بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی لاش کے ٹکڑے جمع کیے اور بوری میں بھر کر دفن کیا۔

یہ حضرت ہشام بن عاص، عاص بن وائل کے بیٹے تھے، عاص بن وائل کی قسمت میں اسلام کی دولت نہیں تھی، نہ صرف یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا، بلکہ اس نے مسلمانوں کو بہت ستایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان، وہ بدقسمت تھا، لیکن اس کے دونوں بیٹوں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن اسلام لانے میں اپنے بڑے بھائی سے پہل کر گئے، اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک اسلام کی تبلیغ رازدارانہ انداز میں ہو رہی تھی، لیکن جب نبوت کے چوتھے سال اللہ کا حکم پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو اعلانیہ دعوت دی تو وہ ظلم ڈھانے پر اتر آئے، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ کئی سال تک وہ ہر طرح کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ نبوت کے چھٹے سال دوسرا قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہوا تو اس میں حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں شامل ہیں جو مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے حبشہ سے واپس مکہ

معظّمہ آ گئے تھے، مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کی تو یہ بھی تیار ہو گئے، ان کے خاندان والوں کو ان کا ارادہ معلوم ہو گیا، انھوں نے انھیں قید میں ڈال دیا۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت فرما کر مدینے چلے گئے۔ اس کے قریباً پانچ چھ سال بعد ایک دن موقع پا کر حضرت ہشام رضی اللہ عنہ قید خانے سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ گویا انھوں نے اتنا عرصہ قید میں گزارا۔

مکہ سے بھاگ کر جب آپ مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، انھوں نے ان سب میں شرکت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ نے برابر جہاد میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اجنادین کی جنگ میں شہادت پائی۔

مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال سن کر فرمایا:

”اللہ ہشام کو اپنی رحمت میں جگہ دے، وہ اسلام کے بہترین معاون تھے۔“

ایک بار مسلمانوں میں یہ بحث چھڑی کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ اس مجلس میں خود حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا:

”میں ایک بات آپ لوگوں کو سناتا ہوں، اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم میں سے افضل کون ہے۔ ہشام اور میں اجنادین کی لڑائی میں شامل تھے جس دن صبح جنگ ہونا تھی، اس رات ہم دونوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! ہمیں شہادت عطا فرما۔ رات بھر ہم دعا کرتے رہے، صبح ہوئی تو ہشام کی دعا قبول ہوگئی۔ میں شہادت سے محروم رہا، اب تم سمجھ لو کہ اللہ نے کسے فضیلت عطا فرمائی۔“

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

بوڑھا مجاہد

مدینہ منورہ میں قیامت کا سماں تھا۔ کچھ شریر لوگوں نے حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنھیں اپنی زبان مبارک سے جنتی فرمایا، جن کے بارے میں فرمایا، یہ اتنے حیا دار ہیں کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں، جن کے نکاح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں آئیں اور جن کو اسی بنیاد پر ذوالنورین کہا گیا، یعنی دو نوروں والے، ان کی نعش گھر میں پڑی تھی اور لوگوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے کفن دفن کا انتظام کرتے۔

یہ ۱۸ ذوالحج ۳۵ ہجری کا دن تھا جب پتھر سے زیادہ سخت دل والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ شہید کرنے والے مدینہ منورہ میں دندناتے پھر رہے تھے۔

ان خطرناک لمحات میں دوسرے دن سترہ کے قریب مسلمان سروں پر کفن باندھ کر اپنے گھروں سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ کے گھر پہنچے۔ ان کی خون میں لت پت لاش کو اٹھایا، نماز جنازہ پڑھی اور جان پر کھیل کر جنت البقیع

تک آئے، پھر انھیں دفن کیا۔ اپنی جان پر کھیل کر یہ فرض ادا کرنے والے ان سترہ دلیر مسلمانوں میں سو برس کی عمر سے زیادہ کے ایک بزرگ بھی تھے۔ نورانی صورت والے ان بزرگ کا نام حویطب بن عبدالعزیٰ تھا۔ ابو محمد حویطب رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے ایک خاندان سے تھا، اپنے قبیلے کے رئیس لوگوں میں سے تھے اور قریش کے با اثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں، جب بہت کم لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ پڑھے لکھے لوگوں میں سے ایک تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی، اسلام کی دعوت جب ان کے کانوں تک پہنچی تو دل پر بہت اثر محسوس کیا، اسلام لانے کا ارادہ کیا، لیکن ہر بار بنو امیہ کے ایک رئیس حکم بن امیہ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس عمر میں نیا مذہب اختیار کرو گے، یہ تمھاری غیرت کے خلاف ہے۔ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر تم اس عزت اور مرتبے کو کھو بیٹھو گے جو اس وقت تمھیں حاصل ہے۔

خود اپنے بارے میں انھوں نے بیان کیا:

''میں بدر کی لڑائی میں بھی مشرکین کے ساتھ تھا، میں نے خود اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو آسمان سے اترتے دیکھا، اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت یہ فرشتے کر رہے ہیں، تاہم میں نے جو کچھ دیکھا، اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ ہم شکست کھا کر مکہ آ گئے۔ میں مکہ میں ٹھہرا رہا اور لوگ ایک ایک دو دو کر کے اسلام لاتے رہے۔

صلح حدیبیہ کے دن بھی میں موجود تھا اور اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا۔

صلح نامے کا آخری گواہ میں ہی تھا اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا، قریش کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے وہی دیکھنا ہوگا جو انھیں پسند نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے مکہ تشریف لائے تو بہت سے قریش مکہ سے باہر چلے گئے، لیکن میں اور سہیل بن عمرو مکہ میں ہی ٹھہرے رہے تاکہ وقت پورا ہو جانے پر مسلمانوں کو مکہ سے نکل جانے کے لیے کہیں، چنانچہ تیسرا دن ہوتے ہی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا، آپ کی شرط پوری ہو چکی، اب آپ اس شہر سے تشریف لے جائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ منادی کر دیں، سورج چھپنے سے پہلے پہلے جتنے مسلمان میرے ساتھ آئے ہیں، ایک بھی مکہ میں نہ رہے۔

۸ہجری میں جب مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ پر اسلام کا پرچم بلند کیا تو حضرت حویطب رضی اللہ عنہ پر کیا گزری، اپنا حال خود بیان کرتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف محسوس ہوا، میں اپنے گھر سے نکل گیا۔ میں نے اپنے بال بچوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا اور خود میں نے عوف کے باغ میں پناہ لی۔ اچانک میں نے ابوذر غفاری کو اپنی طرف آتے دیکھا، میری ان سے پرانی دوستی تھی، لیکن میں انھیں اس وقت دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ انھوں نے پکار کر کہا، حویطب رک جاؤ، میں رک گیا، انھوں نے پوچھا، بھاگ کیوں رہے ہو، میں نے کہا، تمہارے نبی آ گئے ہیں، ان کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ اس پر انھوں نے کہا، اللہ کے نبی نے تم لوگوں کو امان دی

ہے، اپنے گھر چلو، میں نے کہا، میرے لیے اپنے گھر جانے کی بھلا کیا صورت ہے، میرا تو یہ گمان ہے کہ میں گھر تک زندہ نہیں پہنچ سکوں گا، راستے میں ہی کسی مسلمان کے ہاتھوں مارا جاؤں گا اور اگر گھر پہنچ گیا تو بھی کوئی مسلمان گھر میں گھس کر مجھے مار ڈالے گا۔ اس پر ابوذر نے کہا، تمھیں میں خود تمہارے گھر تک پہنچاؤں گا۔

چنانچہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے اور بلند آواز سے یہ اعلان کرتے گئے کہ حویطب کو امان مل چکی ہے۔ کوئی شخص انھیں کچھ نہ کہے، اس طرح ابوذر مجھے گھر لے آئے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے۔ سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اسے معلوم نہیں کہ سوائے چند خطرناک لوگوں کے باقی سب کو میں امان دے چکا ہوں۔ آپ کی یہ بات سن کر میں مطمئن ہو گیا اور اپنے بال بچوں کو بھی گھر لے آیا۔ پھر ابوذر میرے پاس آئے اور بولے:

حویطب! آخر کب تک بھٹکتے رہو گے، بھلائی کے بہت سے مواقع ہاتھ سے نکل گئے، اب بھی وقت ہے، چلو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ بھلے، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ بردبار ہیں۔ اس پر میں نے کہا، میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔

چنانچہ ابوذر کے ساتھ بطحا کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی موجود تھے۔ میں نے ابوذر

سے پوچھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا، کہو، **السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.** میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا **وعلیکم السلام** اے حویطب۔ میں نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہے جس نے تمھیں ہدایت دی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش ہوئے۔''

اس وقت حویطب رضی اللہ عنہ کی عمر ۸۰ سال تھی، لیکن اس بڑھاپے کے باوجود انھوں نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حنین کے مال غنیمت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سو اونٹ عطا فرمائے۔ غزوہ طائف کے بعد حضرت حویطب رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب انھوں نے حرم کی حدود کو نئے سرے سے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام کی ایک جماعت کو مقرر کیا۔ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں شریک تھے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شر پسندوں نے بغاوت کی تو حضرت حویطب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ نے شر پسندوں کو بہت سمجھایا، لیکن وہ باز نہ آئے، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔

اس وقت باغیوں کا اس قدر زور تھا کہ کسی کو نعش دفن کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کار حویطب رضی اللہ عنہ اور سولہ دوسرے صحابہ نے اپنی جان پر کھیل کر انھیں دفن کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مروان بن حکم مدینہ منورہ کا گورنر مقرر ہوا۔ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ ایک دن اس کے پاس گئے تو اس نے طنزیہ انداز میں کہا، بڑے میاں! آپ نے اسلام لانے میں اتنی دیر کیوں کی، بہت سے نوجوان اس سعادت میں آپ سے بازی لے گئے۔

حضرت حویطب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''بھائی! میں نے کئی بار اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن تمہارے باپ حکم بن امیہ نے غیرت دلا کر مجھے ہر بار روک دیا۔''

مروان یہ سن کر شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن حضرت حویطب نے پھر فرمایا:

''اور شاید تمھیں معلوم نہ ہو کہ تمہارے باپ نے حضرت عثمان بن عفان پر اسلام قبول کرنے کے جرم میں کیا کیا ستم ڈھائے تھے۔''

اس پر مروان اور شرمندہ ہوا اور پھر کبھی اس نے حضرت حویطب رضی اللہ عنہ پر طنز نہ کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر سوا سو سال کے قریب تھی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

ابورُہم غِفاری

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک صحابی کی اونٹنی اتفاق سے آپ کی اونٹنی سے بھڑ گئی۔ صحابی کے جوتے کا کنارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے رگڑ کھا گیا۔ آپ کو اس سے تکلیف پہنچی۔ آپ نے ان کے پاؤں پر کوڑا مارا اور فرمایا:

''اپنا پاؤں پیچھے ہٹاؤ، میری ران زخمی ہو گئی ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی نے ان پر لرزہ طاری کر دیا۔ کوڑے کی تکلیف کو بھول گئے۔ اپنی آخرت کی فکر پڑ گئی۔ صبح کے وقت جب لشکر نے جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تو وہ اپنی اونٹنی کو چرانے نکل گئے لیکن دل میں دھڑ کا لگا ہوا تھا۔ واپس لوٹے تو ساتھیوں سے پوچھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب تو نہیں فرمایا تھا۔''

ساتھیوں نے بتایا: ''ہاں، یاد فرمایا تھا۔''

یہ سن کر وہ اور زیادہ گھبرا گئے۔ لرزتے کانپتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

''تمہارے جوتے سے میری ران پر خراش آ گئی تھی، اس پر میں نے تمہارے پاؤں پر کوڑا دے مارا، میرے کوڑے سے تمھیں تکلیف پہنچی، اس کے بدلے میں میں تمھیں بکریوں کا یہ ریوڑ دیتا ہوں۔''

وہ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔ کہاں تو وہ سزا کے خوف سے کانپ رہے تھے اور کہاں انھیں انعام مل گیا۔ مارے خوشی کے ان کی یہ حالت ہوئی کہ پاؤں زمین پر ٹک نہیں رہے تھے، بار بار کہہ رہے تھے:

''آج مجھ سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہے، میرے آقا نے نہ صرف مجھے معاف فرما دیا بلکہ مجھ پر خاص لطف و کرم فرمایا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صحابی حضرت ابورُہم غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا نام کلثوم تھا اور لقب منحور تھا۔ آپ ہجرتِ نبوی کے بعد ایمان لائے، تاریخ کی کتب میں ایمان لانے کا صحیح وقت نہیں ملتا۔ غزوہ بدر میں بھی آپ کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ غزوۂ احد میں انھوں نے بہت شجاعت دکھائی۔ بہت جوش و خروش سے لڑے۔ عین لڑائی میں ایک تیر ان کے سینے میں آ کر لگا۔ سخت زخمی ہوئے، لڑائی کے بعد انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے زخم پر لگایا۔ اس کی برکت سے زخم بہت جلد ٹھیک ہو گیا۔ اس لیے آپ منحور کے لقب سے مشہور

ہوئے۔ سینے کو عربی میں نحر کہتے ہیں۔ نبی پاک کا لعاب دہن آپ کے سینے پر لگا تو منحور نام پڑ گیا۔

۶ھ میں آپ صلح حدیبیہ میں شریک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ یعنی جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس موقعے پر جنت کی بشارت عطا فرمائی تھی، یہ ان میں سے ایک تھے۔ بیعتِ رضوان کے بعد آپ نے غزوۂ خیبر میں بھی حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مالِ غنیمت میں سے دُہرا حصہ عطا فرمایا۔ تاریخ کی کتب میں اس کی وجہ نہیں ملتی کہ دہرا حصہ کیوں مرحمت فرمایا تھا۔ لہٰذا ہم خیال قائم کر سکتے ہیں کہ انھوں نے کوئی خاص کارنامہ انجام دیا ہو گا۔ طائف کی مہم میں بھی آپ نے حصہ لیا۔ اسی سے واپسی پر مندرجہ بالا واقعہ پیش آیا تھا۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورُہم غفاری رضی اللہ عنہ کو قبیلہ غفار کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو جہاد کی طرف راغب کریں، جہاد کے لیے ابھاریں۔ اس سال گرمی شدید تھی، زبردست خشک سالی تھی، اور تبوک کا سفر بہت طویل تھا، لوگ گھبرا رہے تھے، لیکن ابورُہم رضی اللہ عنہ نے ایسے پرخلوص انداز میں انھیں جہاد کی طرف بلایا کہ ایک بڑی تعداد اپنا وطن چھوڑ کر مجاہدین میں شامل ہوگئی۔

تبوک سے واپسی میں بھی ابورُہم کی اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے قریب تھی، انھیں جعرانہ کے سفر کا واقعہ یاد تھا۔ اس لیے جب بھی ان کی اونٹنی زیادہ قریب

ہونے لگتی۔ یہ فوراً اسے پیچھے کر لیتے۔

تاریخ میں آپ کی وفات کی تفصیلات درج نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت اعلیٰ درجے کے اوصاف سے نوازا تھا۔ انھی اوصاف کی بدولت وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم کے حق دار بن گئے تھے۔ نبی پاکؐ کی نظروں میں آپ کی بہت قدر تھی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

موت کی پٹی

دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، زبردست معرکہ درپیش تھا، تلواریں چمک رہی تھیں، نیزے اور بھالے بجلی کی تیزی سے ادھر سے ادھر آر پار ہو رہے تھے، ایسے میں کافروں کے لشکر سے بنوسہم کا ایک نامی گرامی جنگ جو عاصم بن ابی عوف چلاتا ہوا آگے آیا۔ یہ شخص بہت ڈیل ڈول والا اور خوف ناک چہرے والا تھا، اس میں درندگی تھی، غیظ وغضب تھا، منہ سے جھاگ اڑاتا ہوا، غرور سے لبریز لہجے میں بولا:

''اے قریش کے گروہ! اس شخص سے ہرگز ہاتھ نہ روکنا جو قبیلوں میں پھوٹ ڈالنے والا ہے، آج میں اسے مار ڈالوں گا یا خود اپنی جان دے دوں گا۔''

اس بد بخت کا اشارہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا اور یہ میدان تھا بدر کا۔ مسلمانوں کی مشرکوں سے پہلی اہم ترین جنگ ہو رہی تھی۔ ۳۱۳ مسلمان جن کے پاس ساز وسامان بھی نہ ہونے کے برابر تھا، ایک ہزار کفارِ قریش سے لڑ رہے تھے۔ کفار ہر طرح کے ساز وسامان سے لیس تھے۔ ایسے میں اس بد بخت نے یہ الفاظ

کہے۔

اس کے الفاظ سن کر لشکرِ اسلام کی صفوں میں سے ایک صاحب نکلے۔ ان کے سر پر سرخ رنگ کی ایک پٹی بندھی تھی۔ یہ تیزی سے عاصم بن ابی عوف کی طرف جھپٹے۔ قد و قامت کے لحاظ سے ان کا عاصم بن ابی عوف سے کوئی مقابلہ نہیں تھا، یہ اس کے مقابلے میں بہت کمزور اور کم ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ لیکن ان میں ایمان کا جوش بہت تھا، بازوؤں میں طاقت تھی۔ یہ بھی بجلی کی تیزی سے عاصم بن ابی عوف پر حملہ آور ہوئے، تلوار کا بھرپور وار کیا اور ایک ہی وار میں اسے خون میں نہلا دیا، ادھر وہ گرا، ادھر ایک مشرک تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ یہ معبد بن وہب کلبی تھا، اپنی تلوار لہراتے ہوئے اس نے بھی ان پر وار کیا۔ یہ فوراً دوزانو ہو کر بیٹھ گئے، اس طرح معبد کا وار خالی گیا۔ اب انھوں نے اس پر پے در پے کئی وار کیے، لیکن کوئی وار کارگر نہ ہو سکا، تاہم ان کے تابڑتوڑ حملے نے اس پر بوکھلاہٹ طاری کر دی، حواس باختہ ہو کر بھاگا اور ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ ان صاحب نے اس کا پیچھا کیا اور خود بھی گڑھے میں کود گئے، اس سے پہلے کہ وہ اپنا بچاؤ کرتا، انھوں نے اسے دبوچ لیا اور ذبح کر دیا۔

معرکۂ بدر میں اس انداز سے شجاعت دکھانے والے یہ صحابی حضرت سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے، لیکن اس نام سے انھیں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں اور ان کی کنیت ابودجانہ رضی اللہ عنہ تھی۔

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ

خاندان اہم حیثیت والا تھا۔ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی اسی خاندان سے تھے۔ حضرت ابود جانہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد تھے۔ ابود جانہ رضی اللہ عنہ کا شمار مدینہ منورہ کے جانبازوں میں ہوتا ہے۔ ابھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف نہیں لائے تھے کہ ابود جانہ رضی اللہ عنہ نے یثرب کے کچھ لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا، ذکر سنتے ہی آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ ان کے ایمان لانے کی ایک الگ شان ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنا اور ایمان لے آئے، ابھی آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابود جانہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، آپ فدائی بن گئے۔ آپ کے قریب رہنے اور جاں نثاری کو اپنی زندگی سمجھ لیا۔

آپ میدانِ کارزار کے شہ سوار تھے۔ تلوار چلانے میں حد درجے ماہر تھے۔ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ ہر معرکے میں شریک ہوئے اور اپنی بہادری اور جرات کی دھاک بٹھادی۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ لڑائی کے لیے نکلتے تو سر پر سرخ کپڑے کی ایک پٹی لپیٹ لیتے تھے۔ غزوہ بدر کے دن انھوں نے قریش کے چار نامور بہادروں کو ٹھکانے لگایا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ربیعہ بن اسد، ابومسافع اشعری، عاصم بن ابی عوف، معبد بن ابی وہب کلبی، ان چار کے علاوہ بہت سوں کو زخمی کیا۔ اس طرح اصحابِ بدر میں انھیں خاص مقام حاصل ہوا۔

۳ہجری میں غزوہ احد پیش آیا۔آپ نے اس لڑائی میں بھی بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔اس طرح یوم احد کے خاص بہادروں میں شمار ہوئے،اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا:

''یہ تلوار کون لے گا۔''

سب لوگ شوق کے عالم میں آپ کی طرف دیکھنے لگے،گویا ہر ایک خواہش محسوس کر رہا تھا کہ یہ تلوار اسے ملے،اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا۔''

آپ کا یہ ارشاد سن کر سب لوگ ٹھٹک گئے،ایسے میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول!اس تلوار کا حق میں ادا کروں گا۔''

آپ نے تلوار انھیں عطا فرمادی۔ایک روایت کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار لینے کی خواہش کی تھی،لیکن آپ نے انھیں نہیں دی۔جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کا حق ادا کروں گا،تب آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس تلوار سے کسی مسلمان کو نہ مارنا اور اس کو لے کر کسی کافر سے مقابلہ میں منہ نہ موڑنا۔''

یعنی یہ تھا اس تلوار کا حق کہ کسی کافر کے مقابلے میں پیچھے نہ ہٹا جائے۔ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار لینے کے بعد اپنی عادت کے مطابق سر پر سرخ پٹی باندھ لی۔یہ

دیکھ کر انصار بول اٹھے:

''ابودجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے۔''

وہ جب بھی یہ پٹی باندھتے تھے، انصار یہی کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں وہ ہوں جس سے میرے خلیل نے عہد لیا ہے، اس حال میں کہ ہم لوگ پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب ہیں۔

یہ کہ میں زندگی میں آخری صف میں نہ کھڑا ہوں گا، اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے لڑتا ہی رہوں گا۔''

یہ اشعار پڑھے اور شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے، جو شخص سامنے آتا گیا، وہ تلوار سے اسے مزا چکھاتے گئے۔ حضرت کعب بن انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ احد کے دن دیکھا کہ مشرکین کا ایک زبردست جنگجو مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا، وہ سر سے لے کر پیر تک زرہ پوش تھا اور ہر قسم کے اسلحے سے لیس تھا، وہ اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا:

''ان مسلمانوں کو گھیر کر بکریوں کے ریوڑ کی طرح ایک جگہ جمع کر دو۔''

ایسے میں یکا یک ایک زرہ پوش تیر کی طرح اس پر جھپٹا۔ مشرک اپنے قد و قامت کے لحاظ سے اور اسلحے کے اعتبار سے مسلمان زرہ پوش سے بہت زیادہ تھا، لیکن مسلمان مجاہد نے مشرک کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ دو ٹکڑے ہو کر

زمین پر گرا۔ اس وقت میں اس مسلمان جنگ جو کے پیچھے تھا۔ مشرک کو جہنم میں پہنچانے کے بعد اس نے آہنی خود اٹھایا اور مجھ سے بولا:

''کعب! تم دیکھ رہے ہو، میں ابو دجانہ ہوں۔''

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو دجانہ اسی طرح لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، وہ چند مشرک عورتوں تک پہنچ گئے، وہ اپنے جنگ جوؤں کو جوش دلانے کے لیے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ آگے بڑھے اور اپنی تلوار ایک عورت کی گردن پر رکھ دی، وہ چلانے لگی اور اپنے مددگاروں کو آوازیں دینے لگی، لیکن وہاں تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، کون اس کی مدد کو آتا، جب ابو دجانہ نے دیکھا کہ اس کی مدد کے لیے کوئی نہیں آ رہا ہے تو انھوں نے تلوار عورت کی گردن پر سے ہٹا لی۔

بعد میں میری ملاقات ابو دجانہ سے ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا:

''ابو دجانہ! تو نے اس عورت کو قتل کیوں نہیں کیا تھا؟''

انھوں نے جواب دیا:

''مجھے اس بات سے شرم اور کراہت محسوس ہوئی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں، عورت بھی وہ کہ جس کی پکار پر کوئی اس کی مدد کو نہ پہنچا۔''

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ اعلان فرمایا تھا کہ اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا تو سب سے پہلے میں اٹھا تھا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ابو دجانہ کو دے دی۔ اس وقت میرے دل میں کچھ جذبات سے ابھرے کہ سب سے پہلے میں تلوار لینے کے لیے اٹھا تھا، لیکن آپ نے مجھے تو دی نہیں اور ابو دجانہ کو دے دی، سوچا، دیکھوں! ابو دجانہ اس تلوار سے کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب میں نے میدانِ جنگ میں ابو دجانہ کے کارنامے دیکھے تو میں پرسکون ہو گیا اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا:

''بے شک اللہ اور اللہ کے رسول بہتر جانتے ہیں۔''

غزوہ احد میں کئی بڑے بہادر ان کے ہاتھوں مارے گئے، مورخوں نے خاص طور پر عبداللہ بن حمید بن زہیر اور عبید بن حاجز عامری کے نام لکھے ہیں۔ اور جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے ثابت قدم مہاجرین اور انصار چٹان بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کھڑے ہو گئے۔ شروع سے آخر تک آپ کی ڈھال بنے رہے۔ دشمن کے جو آدمی آپ کی طرف بڑھتے، ابو دجانہ کی تلوار ان کی طرف لپکتی اور اسے کاٹ کر رکھ دیتی۔ اس روز انھوں نے خود زخم پر زخم کھائے، لیکن دشمن کو آپ کے نزدیک نہ پھٹکنے دیا۔ جب مشرکین پسپا ہو گئے تو ابو دجانہ کے جسم پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں زخم نہ آیا ہو۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شجاعت اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوئے، آپ نے فرمایا:

''ابودجانہ! خوب لڑے۔''

بدر اور احد کے بعد دوسرے تمام غزوات میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اور بے مثال شجاعت دکھائی۔ غزوہ بنونضیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے حصے میں سے انھیں حصہ دیا۔

اا ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے لشکر بھیجا گیا۔ لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ اس جنگ میں بھی ابودجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جوش اور جذبے سے لڑے۔ ایک موقع ایسا آیا کہ کافر میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مسیلمہ اور اس کا لشکر ایک باغ میں داخل ہوگیا۔ باغ قلعہ نما تھا، اس کا پھاٹک بند کرلیا گیا۔ اب مسلمان اس باغ کے باہر اور کافر اندر تھے۔ مسلمان باہر سے حملہ کرتے رہے، لیکن کچھ نہ بنا۔ باغ کی دیواروں سے تیروں کی بارش ہورہی تھی۔ اس بارش کی وجہ سے مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ آخر ابودجانہ مردانہ وار آگے بڑھے اور دیوار پھلانک کر اندر جا پہنچے، ان کے ساتھ ایک دوسرے صحابی حضرت براابن مالک رضی اللہ عنہ عجیب طریقے سے باغ کے اندر جا گرے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ انھیں ہاتھوں اور پیروں سے پکڑ کر جھولا دینا شروع کریں، جھولا دینے والے دیوار کی طرف اُچھال دیں۔ ساتھیوں نے ایسا ہی کیا، اس طرح یہ دیوار کے اوپر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف جا گرے، دونوں نے اٹھتے

ہی کافروں سے لڑائی شروع کردی اور لڑتے ہوئے پھاٹک کی طرف بڑھنے لگے۔ کافروں نے پورا زور لگایا کہ انھیں پھاٹک کی طرف نہ بڑھنے دیں اور اس سے پہلے ہی انھیں قتل کردیں، لیکن کافروں کی کوششیں ناکام گئیں۔ دونوں بہادر پھاٹک تک پہنچ گئے اور پھر جونہی پھاٹک کھلا، مسلمان فوج اندر آ گئی۔ اب باغ میں خوں ریز معرکہ شروع ہوگیا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ان گنت کافروں نے اپنے نرغے میں لے لیا، اور اس طرح اسلام کا یہ جانباز کافروں سے خوب ڈٹ کر لڑا اور انھیں گاجر اور مولی کی طرح کاٹتے ہوئے آخر جامِ شہادت نوش کرگیا۔ مسیلمہ کے لشکر کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ خود بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ میں دینی غیرت بہت تھی، ان میں بے مثال شجاعت تھی۔ اپنے دور کے بہادر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ غزواتِ نبوی میں انھیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

آپ نے ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس طرح وہ انصار کے سابقون الاولون میں شامل ہیں۔ آپ فطری طور پر ایک سرفروش مجاہد تھے، آپ عالم فاضل صحابہ میں بھی شمار ہوتے ہیں، غرض آپ بہت مرتبے والے صحابی تھے۔

اللہ آپ سے راضی ہو۔

نور والے

"طفیل بن عمرو مکہ آ رہے ہیں۔"

مکہ کے مشرک یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ دین کی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ طفیل بن عمرو اپنے قبیلے دوس کے رئیس تھے۔ دوس عرب کا ایک طاقت ور قبیلہ تھا۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک کونے میں پہاڑ کے دامن میں آباد تھا۔ یہ لوگ بہت ہی دلیر اور دولت مند تھے۔ اپنی آبادی کے گرد انھوں نے ایک حفاظتی بند بھی تعمیر کر رکھا تھا۔ اس طرح اردگرد کے علاقوں میں ان کی خوب دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ طفیل بن عمرو دوسی ایک شاعر بھی تھے، حیثیت والے شخص تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں سوجھ بوجھ بھی بہت تھی، دوسرے بڑے لوگ ان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے قبیلہ دوس میں ان کی بہت عزت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ مکہ کے مشرک ان کی آمد کی خبر سن کر پریشان ہو گئے، انہیں یہ خوف

محسوس ہوا کہ کہیں طفیل بن عمرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا اثر نہ لے لیں۔ اگر وہ کہیں مسلمان ہو گئے تو ان کی وجہ سے مسلمان طاقت ور ہو جائیں گے۔

یہ تھی مکہ کے مشرکین کی پریشانی کی وجہ۔ چنانچہ وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس مسئلے پر غور کرنے لگے۔ آخر طے کیا کہ طفیل بن عمرو کا پر جوش انداز میں استقبال کیا جائے، ان کی خوب خاطر تواضع کی جائے۔ اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ ساتھ ہی انھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں خوب بھڑکایا جائے، اتنا ورغلا دیا جائے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر ہو جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر کان نہ دھریں۔

سب نے اس رائے سے اتفاق کیا، چنانچہ جونہی طفیل مکہ میں آئے، مشرکین نے ان کا زوردار استقبال کیا، انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے خوب کان بھرے، خود بعد میں طفیل بن عمرو نے بتایا کہ قریش کا جو آدمی بھی مجھے ملتا تھا، وہ یہی کہتا تھا:

''تم ہمارے مہمان ہو، یہاں کے مقامی حالات سے ناواقف ہو، ہم خیر خواہی کے لیے بتائے دیتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص محمد بن عبداللہ نے کچھ مدت سے ہمیں چکر میں ڈال رکھا ہے۔ اس نے ہم میں بے چینی اور الجھنیں پیدا کر دی ہیں، ہمارے سب کام گڑبڑ کر دیئے ہیں۔ اس کی باتیں جادو کا اثر رکھتی ہیں، وہ اپنی زبان کی طاقت سے کام لے کر میاں بیوی، باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں تفرقہ ڈال دیتا

ہے، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تم اس کی چال میں نہ آ جاؤ، ہمارا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ اس سے کوئی بات نہ کرو، اور نہ اس سے کچھ سنو۔''

ان باتوں نے مجھے کچھ اس حد تک خوف زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ اگر اتفاقاً کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو جائے تو ان کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

اللہ کی قدرت کے کھیل انوکھے ہیں۔ دوسرے دن طفیل بن عمرو صبح سویرے حرم کعبہ گئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت یا تو کانوں میں روئی رکھنا بھول گئے تھے یا روئی نکل گئی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آیات تلاوت کر رہے تھے، وہ ان کے کانوں میں پڑ گئیں۔ اللہ کا کلام تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ طفیل بن عمرو سوجھ بوجھ والے تھے۔ اثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔ انھیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کے دل دماغ میں ٹھنڈک دوڑ گئی ہو۔ انھوں نے دل میں کہا:

''او طفیل! تو کتنا ناسمجھ ہے، قریش کے چکر میں آ گیا، کیا تجھ میں عقل نہیں ہے، اللہ نے تجھے شعر و شاعری کی صلاحیت عطا کی، تو خود دوسرے کے کلام کی خوبی یا عیب کو پرکھ سکتا ہے، پھر کیا مشکل اور الجھن ہے کہ تو خود فیصلہ نہ کر سکے۔ ان سے مل کر معلوم تو کر، وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر ان کی بات قبول کرنے کے قابل ہے تو مان لے، ورنہ کوئی زبردستی تو ہے نہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور حرم سے نکل کر چل پڑے، طفیل بھی پیچھے پیچھے ہو لیے، جب آپ رہائش گاہ پر پہنچے تو طفیل اچانک سامنے آ گئے اور بولے:

''اے صاحب! آپ کی قوم نے مجھ سے آپ کی ذات اور آپ کی دعوت کے بارے میں یہ، یہ باتیں کیں، ان کی باتوں کا اثر اتنا ہوا کہ میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ کی آواز نہ سن سکوں، لیکن ابھی کچھ دیر پہلے حرم میں اللہ نے مجھے آپ کی آواز سنا دی، آپ جو کچھ پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا ہے، میں چاہتا ہوں، آپ ذرا مجھے تفصیل سے بتائیں، آپ کیا کہتے ہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان فرمائیں۔ قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ یہ شیریں کلام سن کر طفیل بن عمرو پر وجد کی حالت طاری ہو گئی، شاعر تھے، کلام کو سمجھتے تھے، لیکن یہ کلام ایسا تھا کہ پہلے کبھی اس جیسا سنا نہیں تھا۔ بے اختیار پکار اٹھے:

''اللہ کی قسم! میں نے آج تک نہ اس سے بہتر کلام سنا، نہ آپ کی باتوں سے بڑھ کر کوئی پر حکمت بات سنی، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعوت مجھے دل و جان سے قبول ہے۔''

اس طرح حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اچانک اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ قریش کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ مکّہ سے چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کا سردار ہوں، میری قوم مجھے بہت چاہتی ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو میں وطن جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! تم اپنی قوم کو حق کی طرف بلا سکتے ہو۔''

اس پر طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''آپ میرے لیے دعا فرمائیں، میرے لیے دعوت کا کام آسان ہو جائے اور یہ کہ اللہ مجھے کوئی نشانی عطا فرمادیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''الٰہی! اسے کوئی نشانی عطا فرما۔''

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لے کر وطن کی طرف روانہ ہوئے، طویل سفر کے بعد اپنی بستی کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ساری وادی اندھیرے میں ڈوب چکی تھی۔ راستہ دو پہاڑوں کے درمیان سے ہو کر جاتا تھا۔ زبردست اندھیرے میں نیچے جانا بہت مشکل کام تھا، اس وقت ایک بہت ہی عجیب واقعہ ہوا۔ جونہی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے نیچے کی طرف رخ کیا۔ان کا چہرہ یک دم روشن ہو گیا۔اس میں سے پھوٹ کر نکلنے والی روشنی نے

اردگرد کی فضا کو روشن کر دیا۔ طفیل رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے قبیلے کے ایک ایک گھر کو دیکھ رہے تھے۔ یہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا۔ معلوم نہیں اس وقت طفیل رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا خیال آیا انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے:

"اے اللہ! اپنی نشانی چہرے کے بجائے کسی اور جگہ منتقل فرما دے۔"

ابھی یہ الفاظ منہ سے نکلے ہی تھے کہ روشنی ان کے کوڑے میں آ گئی۔ اب ہاتھ میں پکڑا ہوا کوڑا مشعل کا کام دے رہا تھا۔ یہ وہ نشانی تھی جس کی وجہ سے وہ ذوالنور یعنی نور والے مشہور ہوئے۔ گھر پہنچے، سب سے پہلے باپ کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ پھر سارا گھرانہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ اسلام نہ لائے۔ انھوں نے کوشش جاری رکھی لیکن صرف ایک آدمی مسلمان ہوا، آخر یہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبیلے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، یہ پھر قبیلے کی طرف لوٹے، پھر انھیں تبلیغ کی آخر ان کے قبیلے کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ۷ھ کو مدینہ گئے۔ آپ نے غزوۂ خیبر میں شرکت کی، فتح مکہ کے موقعے پر بھی آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ کے بعد طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے قبیلے کے کچھ لوگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے،

وہاں ایک بت خانہ ہے، وہ اس میں بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں ان بتوں کو گرادوں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا:

"ہاں! اس کو برباد کردو۔"

چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے کچھ مسلمانوں کے ساتھ گئے۔ بت خانے کو تباہ کردیا اور آگ لگادی۔ غزوۂ طائف کے موقعے پر حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت خانہ گرانے کی خبر سنائی۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بہت سے قبیلے مرتد ہوگئے، اسلام سے پھر گئے، ان کے خلاف جہاد میں حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسلیمہ کذاب کے خلاف مہم بھیجی گئی تو وہ اس میں بڑے جوش خروش سے شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ میں بڑی بہادری سے لڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

سب سے پہلے میزبان

نبوت کے اعلان کے بعد تین سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان راز داری سے کام لیتے رہے۔ اسلام کی دعوت خفیہ طور پر دی جاتی رہی۔ چھپ چھپ کر مکّے کی گھاٹیوں میں نماز ادا کرتے رہے تاکہ مشرکین کو ان کے اسلام قبول کرنے کا پتا نہ چلے۔ ان تمام احتیاطی تدبیروں کے باوجود مکہ کے کافروں کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہو گیا کہ ان کے کچھ بھائیوں نے ایک نیا دین قبول کر لیا ہے، عبادت کا ایک نیا طریقہ شروع کیا ہے۔ چنانچہ وہ طیش میں آ گئے، جہاں کسی مسلمان کو عبادت کرتے دیکھ لیتے، اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیتے، مشرکین کی زیادتیوں سے بچنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی محفوظ جگہ کی تلاش تھی تاکہ وہاں مسلمان جمع ہو کر نماز ادا کر لیا کریں۔ ابھی جگہ تلاش کی جا رہی تھی کہ انیس بیس سال کے ایک خوب صورت نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرا مکان کھلا ہے اور صفا

پہاڑ کے دامن میں ہے، بیت اللہ کے قریب ہے، وہ آپ کی نذر کرتا ہوں۔ مسلمان وہاں جمع ہو کر نماز ادا کریں، جو چاہیں کریں، مشرک اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان کی پیش کش سے بہت خوش ہوئے۔ انھیں دعا دی۔ اس طرح ان کا مکان مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، تبلیغ اور نماز باجماعت ادا کرنے کا مرکز بن گیا۔ یہ نوجوان حضرت ابو عبداللہ ارقم بن ابی رقم تھے۔

آپ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ایک تھے۔ اسلام لانے میں ان کا نمبر گیارہواں یا بارہواں ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔ یہ قریش کا بہت باعزت خاندان تھا۔

ہجرت سے قریباً تیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ گویا جب نبوت کا اعلان ہوا، اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ ابو طالب کی گھاٹی میں قیام سے پہلے تک مسلمان انھی کے گھر میں عبادت کرتے رہے۔ اسلام قبول کرنے کے خواہش مند حضرات کو بھی یہیں لایا جاتا تھا، کوئی کسی سے دبے الفاظ میں پوچھتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ملیں گے تو اسے بتایا جاتا دارِ ارقم میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ دارِ ارقم میں لے کر آئے تھے۔ گویا ان کا مکان نبوت کے ساتویں سال تک اسلام کا مرکز رہا اور یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت فرمائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ابو طلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی بنایا۔

آپ نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں زمین کا ایک ٹکڑا بھی عنایت فرمایا۔

۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا آپ نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر اور غزوۂ حنین میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک تلوار عنایت فرمائی تھی، شروع سے آخر تک آپ اسی تلوار سے غزوات میں حصہ لیتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زکوٰۃ وصول کرنے کا فرض بھی سونپا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ ہی زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔

آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریباً چوالیس سال تک زندہ رہے، گویا خلافت راشدہ کا پورا دور آپ نے دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ۵۵ھ میں وفات پائی۔ ۵۳ھ کی روایت بھی ملتی ہے۔

وفات سے پہلے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھائیں، چنانچہ انھوں نے ہی نماز پڑھائی آپ کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔

۱۴۰ھ میں عباسی خلیفہ ابو جعفر نے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان کو ان کے پوتے عبداللہ بن عثمان بن ارقم سے خرید لیا۔ لیکن یہ مکان ہمیشہ دارِ ارقم کے نام سے ہی مشہور رہا۔ آج اگرچہ وہ مکان حرمِ پاک کا حصہ ہے، لیکن دارِ ارقم کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور یہ بھی کہ حضرت ارقم اسلام کے سب سے پہلے میزبان تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

امامہ کے والد

غزوہ بدر میں بہت سے مشرک قیدی بنا لیے گئے تھے۔ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ ہوا۔ مکہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عزیزوں کا فدیہ روانہ کیا۔ ایک قیدی کی رہائی کے لیے فدیے میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس لیے کہ ہار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ انھوں نے یہ ہار اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر دیا تھا۔ ان کی شادی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔ آج یہ ہار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی رہائی کے لیے بھیجا تھا۔ گویا اس قیدی کا نام ابو العاص تھا۔ ہار کو دیکھ کر رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا ''اگر تم مناسب سمجھو تو یہ ہار زینب کو واپس بھیج دو، یہ اس کی ماں کی نشانی ہے اور ابو العاص کا فدیہ یہ ہے کہ یہ مکہ جا کر زینب کو مدینہ بھیج دیں۔'' صحابہ کرام نے اس بات کو فوراً منظور کر لیا، چنانچہ ہار ابو العاص کو دے دیا گیا۔ انھوں نے بھی حضرت

زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیجنے کی شرط منظور کر لی، اس لیے کہ وہ مسلمان تھیں جب کہ ابوالعاص ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابوالعاص مکہ پہنچے اور زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ مشرکوں نے انھیں روکنے کی کوشش کی، لیکن ابوالعاص کے بھائی کنانہ ان سے مقابلہ پر اتر آئے، اس طرح مشرک مجبور ہو گئے اور حضرت زینب مدینہ پہنچ گئیں۔ ان کے جانے کے بعد مشرک جمع ہو کر ابوالعاص کے پاس آئے اور ان سے کہا، تم زینب کو طلاق دے دو، اس پر انھوں نے کہا، اللہ کی قسم! میں زینب کو طلاق نہیں دوں گا، قریش کی کوئی عورت زینب کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس پر قریش اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ قریش سے تھے۔ ان کا تعلق قریش کے معزز خاندان بنو عبد شمس سے تھا، سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد تھا۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں، گویا حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔

بہت بہادر اور دلیر تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے لیکن ابوالعاص نے ظلم کی کسی کاروائی میں حصہ نہ لیا، بلکہ مسلمانوں کی ہر طرح مدد کی۔ کافروں نے مسلمانوں کا معاشرتی بائیکاٹ کیا اور تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب کی گھاٹی میں رہنے پر مجبور ہو گئے، ان کا کھانا پینا تک بند کر دیا گیا تو اس حالت میں ابوالعاص نظر بچا کر انھیں کبھی کبھی کھانے کی

چیزیں پہنچایا کرتے تھے۔

۶ھ میں ابو العاص ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جارہے تھے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس قافلہ پر چھاپا مارا، ان کا مال قبضہ میں لے لیا، ابو العاص ان سے بچ بچا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے انھیں فوراً پناہ دی اور اعلان بھی کرادیا کہ ابو العاص میری پناہ میں ہیں، کوئی انھیں نقصان نہ پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو صحابہ سے فرمایا:

''تم جانتے ہو، ابو العاص سے میرا کیا رشتہ ہے، اگر تم اس کا مال واپس کردو گے تو مجھے خوشی ہوگی، نہیں کرو گے تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔''

صحابہ کرام نے فوراً ان کا مال واپس کردیا۔ یہ اس مال کو لے کر مکہ پہنچے، جس جس کی امانت ان کے پاس تھی، لوٹائی پھر ان سب سے پوچھا:

''اے اہلِ قریش! اب میرے ذمے کسی کی کوئی امانت تو نہیں رہ گئی۔''

انھوں نے جواب دیا ''بالکل نہیں، اللہ تمھارا بھلا کرے۔''

اس پر حضرت ابو العاص نے کہا:

''تو پھر سن لو، میں مسلمان ہوتا ہوں اور اللہ کی قسم میں مدینہ میں اسلام لانے سے اس لیے رُک گیا تھا کہ پہلے تمہاری امانتیں لوٹا دوں، کہیں تم طعنہ نہ دو کہ میں نے امانت میں خیانت کی ہے۔''

یہ کہا اور ان مشرکوں کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھا۔ پھر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ

آ گئے۔ یہ ۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ آپ نے ان کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ نکاح کر کے ان کے گھر بھیج دیا۔ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ مکہ میں وسیع کاروبار چھوڑ کر آئے تھے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے مکہ میں رہنا ہی پسند کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر وہ پھر مکہ آ گئے۔

ان کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ ان کے نام علی بن عاص اور امامہ تھے۔ اس طرح علی بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے نواسے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی۔ ابن عسا کر نے لکھا ہے کہ علی ابن ابو العاص ۱۵ھ میں جنگِ یرموک میں شہید ہوئے۔ امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا طویل مدت تک زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ شاہِ حبشہ نجاشی نے ایک انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں یہ انگوٹھی اسے دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جملہ سے مطلب یہ تھا کہ بچوں میں سے مجھے جو سب سے بڑھ کر محبوب ہوگا، اسے دوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی امامہ رضی اللہ عنہا کو پہنا دی۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

امامہ رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں مسجد آئے کہ امامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں نماز شروع کردی۔ جب رکوع اور سجدے میں جاتے تو ننھی امامہ کو اتار دیتے، کھڑے ہوتے تو پھر کندھے مبارک پر بٹھا لیتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

۸ ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات سے شدید صدمہ پہنچا۔انھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے وفاداری اس طرح نبھائی کہ ان کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔خود ۱۲ ہجری میں وفات پائی۔بعض مورخین کے نزدیک حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں شرکت کی اور شہید ہوئے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

سجدوں کا عادی

۴ ہجری میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ باپ نے اس بچے کا نام محمد رکھا پھر وہ بچے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا:

''اس کا کیا نام رکھا ہے؟''

انھوں نے بتایا ''محمد رکھا ہے۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اچھا تو اس کی کنیت بھی میری کنیت پر ابو القاسم ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو اپنے تقویٰ، عبادت اور حسنِ اخلاق کے اعتبار سے اللہ کے خاص بندوں میں شمار ہوا۔

ہم جن کی بات کر رہے ہیں، وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ جانتے ہوں گے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں۔ ان دس خوش قسمت ترین صحابہ میں شامل ہیں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں

جنتی ہونے کی خوشخبری سنادی تھی۔

محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے خاندان بنو تیم سے تھا۔ اس طرح ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے اور آگے چل کر ان کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ کا نام حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ بھی مشہور صحابیہ ہیں۔ گویا ان کے والد صحابی، والدہ صحابیہ اور وہ خود بھی صحابی تھے۔ اچھے اخلاق اور حد درجہ عبادت کرنے کی وجہ سے لوگ ان کو سجاد کہنے لگے تھے، یعنی بہت زیادہ سجدے کرنے والا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک پوتے کا نام محمد تھا۔ ان کے دورِ خلافت میں کسی نے اسے پکار کر برا بھلا کہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھیں بلا کر کہا، تمہارے نام کی وجہ سے نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا گیا ہے، اس لیے آج سے تمھارا نام محمد کی بجائے عبد الرحمٰن ہے۔ پھر انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لڑکوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہاری اولاد میں سے جس کا نام محمد ہے، وہ اس کو بدل دے۔ یہ حکم سن کر حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

''امیر المومنین! میرے نام محمد کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جس نام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا، عمر اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں آپ کا لڑکپن تھا۔ اس لیے کوئی خاص کارنامہ نہ دِکھا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ پوری طرح جوان ہو چکے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ہوئی اور باغیوں نے ان کے گھر کو گھیر لیا تو حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ قریش کے ان چند نوجوانوں میں سے ایک تھے جو اُن کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ پہرہ دینے کے سلسلے میں حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہم زخمی ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کو بھی زخم آئے۔ پھر جب باغی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ غم سے نڈھال ہو کر وہاں آئے۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کو تھپڑ مارے اور حضرت محمد بن طلحہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ کیسے ہو گیا، اس پر انھوں نے کہا "ہم کیا کر سکتے تھے، باغی دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے تھے۔"

پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے مطالبے نے زور پکڑا تو اس سلسلہ میں منافقین کی شرارت کی وجہ سے جنگ جمل کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ لڑائی ختم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت حسن اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر اپنے مقتولین کو تلاش کرنے نکلے۔ اچانک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نظر ایک لاش پر پڑی۔ لاش منہ کے بل پڑی تھی۔ انھوں نے اس کو سیدھا کرنا چاہا تو بے اختیار منہ سے انا للہ و انا الیہ راجعون نکلا۔ پھر فرمایا:

''اللہ کی قسم! یہ قریش کا فرزند ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر ان کی طرف مڑے اور پوچھا:

''کیا بات ہے بیٹا۔''

انھوں نے عرض کیا:

''یہ محمد بن طلحہ کی لاش ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر سخت صدمہ پہنچا، لاش کے پاس بیٹھ کر فرمایا:

''اللہ کی قسم! یہ کثرت سے سجدوں کا عادی تھا۔ اس نے والد کی اطاعت میں جان دی۔ بہت نیک فطرت اور پاک باز نوجوان تھا۔''

اس کے بعد انھوں نے حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی دوسری لاشوں کے ساتھ بصرہ کے قریب دفن کیا۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

اجنادین کا شہید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر، فدک اور تبوک کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ عامل مقرر کرنے کے بعد جب انھیں رخصت فرمایا تو دعائیں دی تھیں۔ وہ اپنے فرائض بہترین طریقے سے ادا کر رہے تھے کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر ملی۔ ان پر اس قدر غم طاری ہوا کہ مدینے واپس آ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو خلیفہ بنایا جا چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں پھر ان کے عہدے پر بھیجنا چاہا اور فرمایا:

”تم سے بڑھ کر اس عہدے کا کون حق دار ہو سکتا ہے۔“

انھوں نے یہ سن کر عرض کی:

”اے خلیفہ رسول! میں معذرت چاہتا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ذمے داری نہیں اٹھا سکتا۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار صحابی حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ

تھے۔ان کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

آپ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہیں۔ والد کا نام سعید بن عاص تھا جب کہ والدہ کا نام صفیہ تھا۔ یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا سخت مشرک تھے،لیکن ان کے بڑے بھائی خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا اور بہت نیک تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت شروع فرمائی تو انھوں نے یہ دعوت فوراً ہی قبول کرلی تھی۔اسی طرح حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ بھی نیک سیرت تھے،انھوں نے اپنے بڑے بھائی کے اسلام لانے کے بعد اسلام قبول کرنے میں دیر نہ لگائی۔

اسلام قبول کرنے پر انھیں بھی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔مشرکین کا ظلم وستم جب حد سے بڑھا تو ۵رنبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، چنانچہ ایک چھوٹا سا قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا۔اس کے ایک سال بعد قریباً سو مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ان میں حضرت عمرو بن سعید، ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان اور بھائی حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ یہ سب لوگ وہاں قریباً تیرہ سال تک رہے۔غزوۂ خیبر کے زمانے میں یہ حضرات حبشہ سے مدینہ پہنچے۔ اگرچہ یہ حضرات غزوۂ خیبر میں شرکت نہیں کرسکے تھے،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں ان کا بھی حصہ نکالا۔

فتح مکہ کے موقعے پر دس ہزار صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان دس ہزار صحابہ کو کئی ہزار سال پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتاب میں قدسی نفوس کہا گیا ہے۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ بھی ان دس ہزار میں شامل تھے۔

مکہ کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین، غزوہ طائف اور غزوہ تبوک میں بھی شرکت کی۔ غزوہ تبوک کا سفر بہت طویل تھا اور تکالیف سے بھرپور تھا۔ قریباً تین سو میل کے اس سفر میں عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

تبوک سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خیبر، فدک اور تبوک کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو یہ واپس آ گئے۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ رومیوں سے جہاد شروع ہو گیا۔ شام اس زمانے میں روم کی سلطنت میں شامل تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ابتدائی دو تین چھوٹے چھوٹے معرکوں کے بعد اجنادین کے مقام پر مسلمانوں کا رومیوں سے زبردست مقابلہ ہوا۔ یہ جنگ بہت سخت تھی۔ رومی اپنی پوری طاقت اس محاذ پر لے آئے تھے اور ہر حالت میں جنگ جیتنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگا سکیں۔

یہ لڑائی ۱۳ھ ہجری میں لڑی گئی۔ بہت شدید لڑائی تھی، حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ

عنہ اس لڑائی میں بہت بے جگری سے لڑے۔ انھوں نے کئی بار دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کیا۔ لڑائی میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے۔ یہ بہت نازک وقت تھا۔ اس وقت حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کے لیے للکارا اور یہ کہتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے:

''میں مسلمانوں کے قدموں کو ڈگمگاتے نہیں دیکھ سکتا۔''

پھر مردانہ وار آگے ہی بڑھتے چلے گئے، جو سامنے آیا، اسے گراتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ رومیوں کے لشکر کے درمیان میں پہنچ گئے۔ رومیوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا، ان پر تیروں اور تلواروں کی بارش کر دی۔ ان کا سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ اس حالت میں بھی تلوار چلاتے رہے، جب چلانے کی بالکل سکت نہ رہ گئی تو گر گئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔

مورخ بلاذری کا بیان ہے، ان کے جسم پر تیس سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے جاں نثاروں کا خون رنگ لایا اور آخر کار اس لڑائی میں رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ وہ اپنے ہزار ہا آدمی کٹوا کر بھاگ نکلے۔ اس وقت حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کی لاش رومی لاشوں کے انبار میں پائی گئی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

مجھے معلوم نہ تھا

عبیداللہ بن زیاد بصرہ کا گورنر تھا۔ اسے حوض کوثر کے بارے میں کچھ شک تھا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا:

''کیا کوئی شخص یہاں ایسا ہے جو حوض کوثر کے بارے میں میرا شک دور کر سکے۔''

لوگوں نے اسے بتایا:

''بصرہ میں ایک بہت بوڑھا شخص رہتا ہے، شاید وہ اس بارے میں وضاحت کر سکے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے۔''

عبیداللہ بن زیاد نے انھیں بلا بھیجا۔ وہ آئے تو اس نے مذاق کے لہجے میں کہا:

''تو یہ ہیں تمہارے وہ محمدی۔''

ان صحابی نے عبیداللہ بن زیاد کی بات سنی تو انھیں بہت دکھ ہوا، باوقار لہجے میں بولے:

''مجھے معلوم نہیں تھا، میں کبھی ایسے لوگوں کو بھی دیکھوں گا جو میرے، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہونے پر طنز کریں گے۔''

پھر وہ بارعب انداز میں چلتے اس کے تخت تک پہنچ گئے اور اس کے برابر بیٹھ گئے۔

عبیداللہ بن زیاد ان کی بےخوفی سے پریشان ہوا اور جلدی سے بولا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے لیے زینت ہے، عیب نہیں۔ میں نے آپ کو اس لیے زحمت دی کہ میں حوض کوثر کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے۔''

جواب میں ان صحابی نے فرمایا:

''ہاں ہاں سنا ہے، ایک بار نہیں، دو بار نہیں، تین بار نہیں، چار بار نہیں، بار بار سنا ہے کہ جو شخص حوض کوثر کا انکار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس کے نزدیک نہیں آنے دے گا اور نہ اس کے پانی سے اسے سیراب کرے گا۔''

یہ فرمایا، غصے کی حالت میں اٹھے اور فوراً وہاں سے چل دیے۔ یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے اور حق بات کہنے میں وقت کے حاکم تک کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کا نام سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھا۔

اصل نام نضلہ تھا۔ قبیلہ اسلم بن افصیٰ سے تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تاریخ کی کتب میں کچھ نہیں ملتا، مورخ ابن سعد لکھتے ہیں، آپ نبوت کا اعلان ہونے کے کچھ عرصہ بعد مسلمان ہوئے۔ گویا بالکل ابتدا میں اسلام لے آئے تھے۔ ہجرت نبوی کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو قریب قریب تمام غزوات

میں شرکت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ فتح مکہ کے موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے قتل کا حکم فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن خطل تھا۔ یہ بہت بد باطن تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر کمر باندھ رکھی تھی۔ اپنی دو لونڈیوں کو اشعار کی صورت میں آپ کی برائیاں بیان کرنے پر لگا رکھا تھا ،وہ سر تال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیا کرتی تھیں۔

فتح مکہ کے دن یہ عبداللہ خطل خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا تا کہ اس کو امان مل جائے، قتل نہ کیا جائے، لیکن اس کے جرائم بہت بھیانک تھے، نا قابل معافی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ کسی صورت معافی کے قابل نہیں تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں مدینہ منورہ میں ہی رہے، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی ان کے ساتھ ہی رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بصرہ آباد ہوا تو انھوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت بلند پایہ صحابی تھے، علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ سے چھیالیس احادیث روایت ہیں۔ ان کے شاگرد بڑی تعداد میں تھے، انھوں نے ان سے دین سیکھا۔ آپ بہت پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، اسلام لانے میں تو آپ کا شمار سب سے پہلے صحابہ میں ہے ہی، علم

کے شوق، جہاد، محبت رسول، سخاوت اور سادگی میں بھی ان کا ایک مقام تھا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کا معمول تھا، صبح شام غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، حسن بن حکیم اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ ثرید کا ایک بڑا تھال بھر کر صبح شام بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کو کھلاتے تھے۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا تھا، لیکن خود وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ زندگی بھر کبھی پر تکلف کھانا نہ کھایا، نہ قیمتی لباس پہنا، گھوڑے کی سواری بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے ایک ساتھی صحابی حضرت عائذ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ عمدہ کپڑے پہنتے تھے اور گھوڑے کی سواری کے بھی شوقین تھے۔ ایک شخص نے دونوں میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ پہلے حضرت عائذ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا:

''ابو برزہ نے تو بس آپ کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے، نہ قیمتی کپڑا پہنتے ہیں، نہ گھوڑے پر سواری کرتے ہیں، جب کہ آپ قیمتی کپڑے بھی پہنتے ہیں اور گھوڑے کی سواری بھی کرتے ہیں، گویا آپ کے مقابلے میں پرہیزگار بنتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ابو برزہ پر رحم فرمائے، آج کون ہے جو ان کی برابری کر سکے۔''

ان کے جواب سے مایوس ہو کر وہ شخص ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا:

''آپ دیکھتے ہیں، عائذ کتنے ٹھاٹھ باٹ سے زندگی گزار رہے ہیں، قیمتی لباس پہنتے ہیں، گھوڑے کی سواری کرتے ہیں، ہر وقت آپ کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔''

ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر کہا:

''اللہ تعالیٰ عائذ پر رحم فرمائے، آج ہم میں ان کے مرتبے کا کون ہے بھلا۔''

اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے ۶۵ ہجری میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا، ان کا نام مغیرہ تھا۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

ایک تھا گورنر

"حمص کے فقیروں اور محتاجوں کی فہرست تیار کی جائے تاکہ ان کے گزر اوقات کا انتظام کیا جاسکے۔"

یہ حکم حضرت عمر ابنِ خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا۔ آپ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ تھے اور شام کے دورے پر تشریف لائے تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کی فہرست تیار کر کے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی گئی، سب سے اوپر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھا نظر آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونک کر پوچھا:

"یہ سعید بن عامر کون ہے؟"

لوگوں نے کہا:

"یہ ہمارے گورنر ہیں۔ آپ ہی نے تو انھیں حمص کا گورنر مقرر کیا ہے۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''گورنر کا نام غریبوں اور مسکینوں میں لکھ دیا، انھیں جو تنخواہ ملتی ہے، وہ اس کا کیا کرتے ہیں؟''

لوگوں نے جواب میں بتایا:

''جو کچھ انھیں ملتا ہے، دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک ہزار دینار کی تھیلی انھیں بھیجی اور یہ ہدایت بھی کی:

''ان سے اپنی ضرورتوں پر پورا کریں۔''

قاصد جب یہ رقم ان کے پاس لایا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا:

''اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

بیوی کے کانوں میں ان کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پڑے تو دوڑ کر آئیں، پوچھا، ''خیر تو ہے، کیا امیر المومنین کا انتقال ہو گیا ہے۔''

جواب میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نہیں، اس سے بھی بڑا واقعہ ہوا ہے۔''

بیوی نے حیران ہو کر پوچھا:

''کیا قیامت کی کوئی نشانی نظر آئی ہے؟''

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''نہیں! اس سے بھی بڑا واقعہ ہوا ہے۔''

بیوی نے اور زیادہ حیران ہو کر پوچھا:

''بتائیں پھر.... ہوا کیا ہے۔''

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ دیکھو! دنیا فتنوں کو لے کر میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے۔''

اس پر بیوی نے کہا:

''اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، ان فتنوں سے بچنے کی تدبیر سوچ لیں۔''

انھوں نے ساری رقم ایک تھیلے میں ڈالی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تمام رات عبادت میں گزار دی۔ صبح ہوئی، دیکھا کہ اسلامی فوج ان کے گھر کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ انھوں نے فوراً وہ دینار اس تھیلے میں سے نکالے اور دروازے پر کھڑے کھڑے تمام کے تمام ان مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔

ایک اور موقعے پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار ان کے پاس بھیجے اور ہدایت فرمائی:

''ان کو اپنے ذاتی خرچ میں لاؤ۔''

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے کہا:

''ہمارے پاس کوئی خادم نہیں ہے کیوں نہ ہم اس رقم سے ایک خادم خرید لیں۔''

بیوی کی بات سن کی حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ یہ رقم ہم ان لوگوں میں تقسیم کریں جو ہم سے زیادہ محتاج ہیں۔''

بیوی بھی بڑی نیک بخت تھیں، فوراً رضا مند ہوگئیں۔ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام رقم بیواؤں، یتیموں، بیماروں اور مسکینوں میں تقسیم کردی۔

ایک مرتبہ حمص کے لوگوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ شکایات پیش کیں ان کی تفصیل یہ تھی:

۱۔ ''جب تک کافی دن نہیں نکل آتا سعید گھر سے باہر نہیں نکلتے۔''

۲۔ ''رات کو کوئی آواز دیتا ہے تو یہ جواب نہیں دیتے۔''

۳۔ ''وقتاً فوقتاً انھیں جنون کے دورے پڑتے ہیں۔''

۴۔ ''مہینے میں ایک دن گھر کے اندر رہتے ہیں اور بالکل باہر نہیں نکلتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ شکایات پہنچیں تو انھیں مدینہ میں طلب کرلیا۔ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ اس شان سے مدینہ پہنچے کہ لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے، ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں کھانے کا ایک پیالہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر پوچھا:

''بس! تمہارے پاس یہی سامان ہے۔''

انھوں نے عرض کیا:

''اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے اور دل میں دعا مانگی کہ الٰہی! سعید کے بارے میں میرے نیک گمان کو غلط نہ ثابت کرنا۔ پھر ان سے حمص کے لوگوں کی شکایات کا ذکر کیا اور پوچھا:

''تمہارے پاس ان شکایات کا کیا جواب ہے؟''

اس پر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں ان باتوں کا ذکر کرنا بالکل پسند نہیں کرتا تھا...... لیکن اب آپ نے پوچھا ہے تو عرض کرتا ہوں۔

۱۔ صبح سویرے اس لیے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، اپنی اہلیہ کے ساتھ مل کر گھر کا سارا کام انجام دیتا ہوں، اس کے بعد روٹی پکاتا ہوں، پھر ان لوگوں کی خدمت کے لیے باہر نکلتا ہوں۔

۲۔ رات کو اس لیے جواب نہیں دیتا کہ سارا دن اللہ کی مخلوق کی خدمت میں گزر جاتا ہے اور اپنے رب کے حضور میں اطمینان سے حاضر ہونے کا موقع نہیں ملتا، اس لیے رات کا وقت میں نے اللہ کی عبادت کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔

۳۔ جنون کے دورے کے بارے میں عرض ہے کہ مجھے جنون کی بیماری تو نہیں ہے، لیکن بے ہوشی کے دورے واقعی کبھی کبھار مجھ پر پڑتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے پھانسی دی تھی تو میں بھی اس موقعے پر موجود تھا۔ مجھے اس وقت مشرکین میں اپنی موجودگی اور حضرت خبیب رضی

اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا احساس بعض اوقات بے چین کر دیتا ہے اور میں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

۴۔ مہینے میں ایک دن میں اس لیے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا ہے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسی کو دھو کر پہنتا ہوں۔ مہینے میں ایک مرتبہ ضرور اپنے کپڑوں کو دھوتا ہوں، جب سوکھ جاتے ہیں تو ان کو پہن کر نکلتا ہوں۔ اس وقت دن کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے، اس لیے لوگوں سے نہیں مل پاتا۔

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے یہ جوابات سن کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ انھوں نے فرمایا:

''سعید! تمھارے بارے میں میرا نیک گمان درست نکلا۔ اب حمص واپس جاؤ اور اسی طرح اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہو۔''

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کی:

''اے امیر المومنین! اب مجھے اس عہدے سے معاف رکھیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم تمھیں ضرور حمص جانا ہوگا، تم جیسا غم خوار ان لوگوں کو نہیں ملے گا۔''

ان کے مجبور کرنے پر آپ رضی اللہ عنہ پھر حمص چلے گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت شروع فرمائی تھی، اس وقت

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سات آٹھ سال کے تھے۔ وہ زمانہ ان کے کھیل کود کا تھا۔ اس لیے اس زمانے میں اسلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکے، جوان ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لا چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور غزوۂ خیبر سے پہلے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کیا۔ پھر خیبر، مکہ، حنین، تبوک اور تمام لڑائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام وقت عبادت میں صرف کرنے لگے، لیکن جہاد کے شوق نے انھیں بیٹھنے نہ دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں شام پر چڑھائی کی گئی تو یہ بھی اس لشکر میں شامل ہوئے، جنگ قنسرین میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک خاص مہم سونپی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقعے پر مدینہ آئے ہوئے تھے کہ یرموک کی لڑائی پیش آ گئی۔ اس جنگ میں رومی اپنی ساری قوت جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں آ گئے۔ مسلمانوں کی تعداد رومیوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اس لیے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ سے مدد طلب کی۔ ان کا پیغام ملتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ انھیں ایک ہزار سوار دے کر یرموک کے محاذ پر روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ کمک روانہ کر دی گئی ہے۔ یہ ایک ہزار جاں بازوں کے ساتھ بہت بروقت پہنچے۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کو بہت حوصلہ ہوا۔ وہ قدم جما کر لڑے۔ یہ جنگ بہت ہولناک اور شام کے لیے فیصلہ کن تھی۔ اس

نازک موقعے پر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے حیرت انگیز شجاعت دکھائی اور ثابت قدمی کا عظیم مظاہرہ کیا۔ کسی موقعے پر بھی ان کے قدم پیچھے نہ ہٹے۔ کئی بار رومیوں نے انھیں گھیر لیا، لیکن ہر بار ان کی تلوار کی کاٹ نے ان کی صفیں توڑ کر رکھ دیں۔ یرموک کے بعد انھوں نے شام کے کچھ اور معرکوں میں بھی حصہ لیا، پھر مدینہ منورہ واپس آ کر عبادت میں لگ گئے۔ انھی دنوں حمص کے گورنر حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ انھیں جو تنخواہ ملتی، اس میں سے چند درہم کھانے وغیرہ کے لیے رکھ لیتے اور باقی ساری تنخواہ غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ بیوی پوچھتیں، تنخواہ کی باقی رقم کہاں ہے تو جواب دیتے:

”قرض دے دی ہے۔“

مطلب یہ ہوتا تھا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کر دی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں اس کو قرضِ حسنہ کہا گیا ہے۔ ایک دفعہ کچھ لوگ وفد کی صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھوں نے عرض کیا:

”اے امیر! آپ کو ہم نے ہمیشہ نادار اور مفلس پایا ہے، آخر آپ کے کنبے کا بھی تو آپ پر کچھ حق ہے۔ اپنے ہاتھ کو اتنا کشادہ نہ کریں، اپنے بال بچوں کا بھی کچھ خیال کریں۔“

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یہ میرے بس کی بات نہیں، مجھے تو فقر ہی پسند ہے، کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فقرا، مال داروں سے کئی سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''

اور واقعی حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ ایسے ہی گورنر تھے کہ ایک عام آدمی میں اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ۱۹ھ یا ۲۱ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

بادشاہی کی علامت

ایک مرتبہ وہ مدینہ منورہ آئے۔ اپنی سواری کو بٹھایا، کپڑوں کے تھیلے میں سے اپنا حلہ نکالا، اس کو پہنا اور مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ دے رہے تھے، وہ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ انھوں نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ لوگ ان کی طرف بہت ہی محبت بھرے انداز میں دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے نزدیک کے ایک شخص سے پوچھا:

''سب لوگ میری طرف کیوں دیکھ رہے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ذکر فرما رہے تھے۔''

ان صاحب نے انھیں بتایا:

''ہاں! آپ کی آمد سے پہلے ابھی خطبے کے دوران اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد اس دروازے سے تمہارے پاس یمن کا ایک بہترین شخص آئے گا۔ اس کے چہرے پر بادشاہی کی علامت ہوگی۔''

انھوں نے اپنے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سنے تو خوشی سے جھوم اٹھے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ تھے۔ رمضان المبارک ۱۰ھ میں ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ وفد کے تمام لوگ نہایت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ سب کے کندھوں پر یمنی چادریں تھیں۔ لوگ ان کی آن بان دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ ان سب کی قیادت ایک قد آور نوجوان کر رہا تھا۔ وہ بہت خوب صورت تھا۔ اس کا رنگ شہابی تھا۔ صاف نظر آتا تھا، کسی اعلیٰ خاندان کا فرد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا سلیقہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھیں خوش آمدید کہا، وفد کے قائد کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔''

اس کے بعد اس نوجوان کی طرف توجہ فرمائی، دریافت فرمایا:

''آپ لوگ کیسے آئے ہیں؟''

انھوں نے فوراً کہا:

''جی! اسلام قبول کرنے کے لیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور کھل اٹھا اور فرمایا:

''اچھا تو تم ان باتوں پر میری بیعت کرو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، نمازیں جو تم پر فرض کی گئی ہیں، ان کی پابندی کرو، زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرو، ہمیشہ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی کرو، کیونکہ جو کسی پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، اپنے امیر کی اطاعت کرو چاہے وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔''

وفد کے قائد نے فوراً کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں ان سب باتوں کا اقرار کرتا ہوں، اپنا دستِ مبارک بڑھایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر ان سے بیعت لی، پھر وفد کے باقی ارکان سے بھی بیعت لی۔ سب نے کلمہ شہادت پڑھا اور صحابہ کرام کے مبارک گروہ میں شامل ہو گئے۔

یہ نوجوان حضرت جریر بن عبداللہ بَجلی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو بجیلہ سے تھا۔ یہ قبیلہ عرب کے مختلف ضلعوں میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ اپنے علاقے کے بنو بجیلہ کے سردار تھے۔ ان کے باپ دادا کسی زمانے میں یمن کے حکمران تھے، گویا ان کی رگوں میں شاہی خون تھا۔ اپنے وطن میں بہت عزت اور احترام سے دیکھے جاتے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں اسلام لائے، اس لیے غزوات میں حصہ لینے سے محروم رہ گئے، تاہم حجۃ الوداع کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ایمان لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''جریر! تمہاری قوم کے جو لوگ بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں، انھوں نے اپنے بت کدوں کا کیا کیا؟''

انھوں نے جواب میں عرض کیا:

''اے اللہ کے! انھوں نے اپنے بتوں کو توڑ ڈالا۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے بت کدے ذی الخلصہ کا کیا ہوا؟''

''اے اللہ کے رسول! وہ ابھی باقی ہے، جب ہم واپس جائیں گے تو اسے گرا دیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! جاؤ..... اس کو گرا دو اور گرا کر مجھے اطلاع دو۔''

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اسی وقت اس مہم پر روانہ ہو گئے، چند دن بعد حاضرِ خدمت ہو گئے اور بتایا:

''اے اللہ کے رسول! ہم نے ذی الخلصہ کو آگ لگا دی، اب وہ راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے، آپ نے ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرمائی۔

آپ بہت جنگ جو تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے درخواست کی:

''اے خلیفہ رسول اللہ! میرے قبیلے کے لوگ مختلف قبائل میں بکھرے ہوئے ہیں انھیں ایک جگہ جمع کر کے ان کی قیادت مجھے سونپ دیں، میں اور میری قوم اللہ کے راستے میں جہاد کرے گی۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''اس وقت ہم سب شام اور عراق کی جنگوں میں مصروف ہیں، فی الحال یہ کام نہیں ہوسکتا۔''

چنانچہ یہ واپس یمن چلے گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قوم کو جمع فرمایا اور انھیں ان کا امیر مقرر فرمایا۔ انھی دنوں جسر کے مقام پر مسلمانوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کھانا پڑی تھی اور ایسا تدبیر کی غلطی سے ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عراق کی مہم پر روانہ فرمایا تاکہ جسر کی شکست کا بدلہ لیا جا سکے۔ آپ نے حضرت مثنیٰ کی مدد کے لیے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

آپ مدینہ سے روانہ ہوئے، ثعلبہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان سے آملے۔ اس طرح یہ لشکر بویب کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ایرانی لشکر بھی

ایک مشہور ایرانی سپہ سالار مہران بن مہرویہ کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ ایرانیوں نے دریا پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ایرانی لشکر پر زبردست جوابی حملہ کیا۔ ایرانی لشکر تمام تر تجربہ کار جنگ جوؤں پر مشتمل تھا، اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس موقعے پر مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو للکارا۔ ایسے میں ان کے بھائی مسعود بن حارث لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو وہ پکارے:

''مسلمانو! شرفاء اسی طرح جان دیا کرتے ہیں، دیکھو، تمہارے جھنڈے گرنے نہ پائیں۔''

ادھر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

''اے برادرانِ بجیلہ! یہ تمہاری آزمائش کا وقت ہے۔ دشمن کو نیست و نابود کر دو۔''

ان دونوں کی للکار نے مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے قدم جما دیے، ایرانی ہزار کوشش کے باوجود قدم نہ جما سکے، ایسے میں ایک نوجوان نے مہران کا کام تمام کر دیا۔ اس کے گرتے ہی ایرانی بھاگ نکلے۔ ان کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔

اس جنگ کے بعد مسلمان عراق میں دور دور تک پھیل گئے۔ اس جنگ میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، انھی زخموں سے انھوں نے وفات پائی۔ دوسری طرف ایرانیوں نے زور و شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کی

تیاریوں کی اطلاعات پا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے لشکر کا سالار مقرر فرمایا اور عراق پہنچنے کا حکم دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عراق پہنچے تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ ان میں شامل ہو گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی جگہ تاریخ کی یہ خون ریز جنگ لڑی گئی۔ اس میدان میں ایرانی اپنی ساری طاقت لے آئے تھے۔ ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم تھا، وہ مانا ہوا جنگ جو تھا۔ پھر اس لشکر کے ساتھ جنگی ہاتھی بھی تھے۔ زرہ پوش سوار بھی تھے۔ مسلمانوں پر اس قدر زبردست حملہ ہوا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن اسلامی لشکر کے سالاروں نے مجاہدین کو للکار للکار کر قدم جمانے پر مجبور کر دیا۔ ان سالاروں میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی۔ آخر ایرانی بھاگ نکلے، رستم مارا گیا۔ اس جنگ میں جریر بن عبداللہ اور ان کے قبیلے نے بے مثال بہادری دکھائی۔ یہ فتح اس قدر شان دار تھی کہ ایران کا تخت ڈگمگا گیا۔ قادسیہ کے بعد مدائن، جلولہ فتح ہوئے۔ جلولہ کی حفاظت چار ہزار سواروں کے ساتھ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ چند دن بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس تین ہزار مجاہد اور بھیج دیے اور ہدایت کی کہ حلوان پر حملہ کریں، وہاں ایرانیوں کا خطرناک ہجوم تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بجلی کی تیزی سے روانہ ہوئے اور حلوان پر حملہ آور ہوئے۔ اور اس شہر پر

مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

حلوان کے بعد حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اہواز اور تستر کے معرکوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اس کے بعد نہاوند کا معرکہ پیش آیا۔ قادسیہ کے بعد ایران کی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگوں میں نہاوند کی جنگ بہت سخت تھی۔ حضرت جریر نے اس معرکے میں کمال بہادری دکھائی۔ بیس ہزار ایرانی اس جنگ میں مارے گئے اور باقی بھاگ نکلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات کی بنیاد پر انھیں ہمدان کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے ان کی فوراً بیعت کرلی۔ لیکن مسلمانوں کی آپس کی جنگوں میں انھوں نے حصہ نہ لیا اور اپنے خاندان کے ساتھ قرقیسیا چلے گئے۔ وہیں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔

آپ کا شمار ان خوش قسمت صحابہ میں ہوتا ہے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے تھے اور ان کی عزت بھی کرتے تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

مجھے امید ہے

دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو ایک نوجوان کفار کی صفوں سے نکل کر اسلامی لشکر کی طرف آیا اور اعلان کیا:

"میں کافروں کی طرف سے نہیں، آپ کی طرف سے لڑوں گا، الحمد للہ! میں مسلمان ہوں۔ میں نے اسلام ترک نہیں کیا۔"

یہ میدان غزوۂ بدر کا تھا۔ اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ اور یہ نوجوان تھے حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کا اعلان سن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن ان کا والد سخت غضب ناک ہوا۔ ان کی طرف دیکھ کر دانت پیسنے لگا، لیکن عبداللہ تو مسلمانوں کی طرف جا چکے تھے۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا۔

ان کے والد سہیل قریش کے خطیب تھے۔ عربی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ تقریر کرنے کا فن آتا تھا۔ اپنی تقریر سے کفار کے دلوں میں جوش بھر دینا ان کے لیے ذرا

مشکل کام نہیں تھا۔ وہ صرف خطیب ہی نہیں تھے، بہت ذہین بھی تھے۔ قریش انھیں بہت معاملہ فہم سمجھتے تھے، لیکن اللہ کی قدرت دیکھیے کہ ان کی دانش مندی ان کے کام نہ آسکی اور فتح مکہ تک یہ کفر وشرک کی دلدل میں پھنسے رہے، جب کہ ان کے مقابلے میں اولاد بہت قسمت والی نکلی۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی اسلام لے آئی اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ عامر بن لویّ سے تھا۔ والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا۔ ان کا سلسلہ نسب آگے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع کی تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ والد بہت غضب ناک ہوئے۔ انھیں مارا پیٹا، قید میں ڈال دیا، لیکن یہ ڈٹے رہے، اس پر تنگ آکر والد نے گھر سے نکال دیا، نتیجہ یہ کہ دوسرے مشرکین نے بھی ان پر ظلم وستم شروع کردیا، طرح طرح سے ستانے لگے۔ نبوت کے چھٹے سال حبشہ کی طرف مسلمانوں نے دوسری بار ہجرت کی۔ یہ بھی اس قافلے میں شامل ہوگئے۔ مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ بعد مکہ معظّمہ واپس آگئے۔ باپ ان پر پہلے کی نسبت زیادہ ظلم کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھری میں قید کردیا، اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہیں چھوڑے گا، اسی طرح قید رکھوں گا، بھوکا پیاسا مار ڈالوں گا۔ حضرت عبداللہ بن

سہیل نے مجبور ہو کر جھوٹ موٹ باپ کا کہنا مان لیا۔ اس طرح رہائی حاصل کرلی، اندر سے پکے سچے مسلمان رہے اور اس کا اظہار انھوں نے غزوۂ بدر کے موقعے پر کیا۔

۲ ہجری میں مشرکینِ مکہ جنگ کا ارادہ لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے لیا، کیونکہ ان کے خیال میں وہ مسلمان نہیں رہے تھے۔ انھوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ خاموشی سے ساتھ ہو لیے، میدانِ بدر میں جونہی دونوں لشکر آمنے سامنے آئے، انھوں نے فوراً پینترا بدلا اور مسلمانوں کے ساتھ جا ملے اور میدانِ بدر میں بڑی بہادری سے لڑے۔ اس طرح انھوں نے اصحابِ بدر کا اعزاز حاصل کیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ نے احد کی لڑائی میں بھی حصہ لیا۔ غزوۂ خندق، حدیبیہ اور فتح مکہ میں شریک رہے، غرض تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حدیبیہ کی بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اس موقعے پر مشرکین سے صلح ہوئی، اس صلح پر بطور گواہ انھوں نے بھی دستخط کیے۔

۸ ہجری کو فتح مکہ کے موقعے پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد سہیل اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میری جاں بخشی کرا دو، ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو باپ کی بے بسی پر ترس آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس طرح درخواست کی:

''اے اللہ کے رسول! میرے باپ کو امان دیجیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انھیں امان ہے، کسی خوف کے بغیر گھر سے باہر نکل آئیں۔''

ساتھ ہی آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی:

''سہیل سے کوئی شخص سختی سے پیش نہ آئے، اللہ کی قسم، وہ ایک عقل مند آدمی ہے، اس جیسا دانش مند اسلام سے دور نہیں رہ سکتا۔'' (مسند حاکم)

اس طرح اپنے سعادت مند بیٹے کے ذریعے انھیں امان مل گئی، پھر انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد وہ تمام زندگی اپنے مشرکانہ دور کی غلطیوں پر شرمندہ ہوتے رہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ ان کے خلیفہ بنتے ہی بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے، اسلام چھوڑ بیٹھے۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کردیا، بے شمار لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لشکر مختلف سمتوں میں روانہ فرمائے۔ ایک لشکر انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اس لشکر میں شامل تھے۔ مسلمانوں اور مسیلمہ کے درمیان یمامہ کے مقام پر خوں ریز جنگ ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ اس جنگ میں نہایت جواں مردی سے لڑے اور

شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸ سال تھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے والد حضرت سہیل رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی تو انھوں نے کہا:

''میں نے سنا ہے، شہید اپنے گھرانے کے لوگوں کی سفارش کرے گا اور اللہ اس کی سفارش منظور کریں گے، مجھے امید ہے، میرا شہید فرزند سب سے پہلے میری سفارش کرے گا۔''

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

مہاجر انصاری

مکہ کے مشرکوں نے جب مخالفت کی انتہا کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے، لیکن طائف کے لوگوں نے مکہ کے لوگوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ کے راستے میں جتنا میں ستایا گیا، اتنا کوئی اور نبی نہیں ستایا گیا اور سب سے زیادہ تکالیف مجھے طائف کے سفر میں پہنچیں۔ اس سفر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر مکہ میں آ گئے۔ اس وقت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا، جو حج کے دنوں میں مکہ آئے ہوئے تھے۔ ایسے چھ نیک لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو فوراً قبول کیا، یہ لوگ مدینہ منورہ گئے تو وہاں دین کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال بارہ افراد مکہ پہنچے اور دین کو قبول کیا۔ ان بارہ مسلمانوں میں سے ایک حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کا شمار اپنے قبیلے کے بہادر نوجوانوں میں ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انھیں نیک سیرت

بھی عطا فرمائی تھی۔ان کے کانوں میں توحید کی آواز پڑی تو انھوں نے فوراً کہا:

''لبیک۔''(حاضر ہوں)

پھر آنے والے موسم میں گیارہ ساتھیوں سمیت اسلام قبول کیا۔انھوں نے اپنے گیارہ ساتھیوں کے ساتھ یہ اقرار کیا، ہم شرک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، بدکاری نہیں کریں گے، چغلی نہیں کھائیں گے، کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے۔ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔

جب یہ حضرات مکہ سے واپس یثرب (مدینہ کا پہلا نام) جانے لگے تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ دین سکھانے کے لیے کسی کو بھیج دیا جائے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی اور ان کے ساتھ بھیج دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کوششیں رنگ لائیں اور مدینے کے گھر گھر میں دین کی روشنی پھیلنے لگی۔اس طرح نبوت کے تیرہویں سال حج کے موسم میں پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ روانہ ہوا، اس میں قبیلہ خزرج اور اوس کے مسلمان بھی شامل تھے۔ان میں سے ایک حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ان حضرات نے یثرب سے روانہ ہوتے وقت فیصلہ کیا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں گے۔حج سے فارغ ہونے کے بعد ان مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔اس وقت آپ کے چچا حضرت عباس رضی

اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ ملاقات عقبہ کی گھاٹی میں ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں سے کہا:

''اے یثربی بھائیو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں نہایت معزز اور محترم ہیں۔ مکہ کے بیشتر لوگ ان کے دشمن ہیں اور یہ دشمنی ان کی دعوت کی وجہ سے ہے، ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے اور آئندہ بھی بھرپور طاقت سے حفاظت کریں گے۔ اگر آپ لوگ اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہیں تو کوئی بات کریں، خوب جان لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کرنا خوں ریز جنگوں کو دعوت دینے کے برابر ہے (مطلب یہ تھا کہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے، آپ لوگ کہیں اس کام کو آسان نہ سمجھ لیں) اس لیے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں، ورنہ پھر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر حضرت برا ابن معرور رضی اللہ عنہ جوش کے عالم میں اٹھے اور کہا:

''اے عباس! ہم نے آپ کی بات سن لی۔ اب آپ ہماری بات بھی سن لیں، ہم بزدل نہیں ہیں، ہم نے تلواروں کے سائے میں پرورش پائی ہے۔''

اب چند انصار نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعے پر ارشاد فرمایا:

''میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں اور اہل و

عیال کی حفاظت کرتے ہو، اسی طرح میری حفاظت کرو گے اور دین کی اشاعت میں میری مدد کرو گے۔''

حضرت برا ابن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا:

''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کریں گے۔''

اس موقعے پر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اس وقت ہمارے اور یہودیوں کے درمیان معاہدات ہیں، اس بیعت کے بعد وہ ٹوٹ جائیں گے۔ (یعنی یہودی ہم سے تعلق ختم کر دیں گے) ایسا نہ ہو کہ آپ طاقت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔''

یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا:

''بلکہ میرا خون، تمھارا خون اور میرا ذمہ تمھارا ذمہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے، میں اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے، میں بھی اس سے صلح کروں گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک سن کر یثرب کے لوگ بیعت کے لیے آپ کی طرف لپکے۔ اس لمحے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پھر ان سے کہا:

''دوستو! اچھی طرح سمجھ لو! تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ بیعت عرب اور عجم کے خلاف اعلانِ جنگ کے برابر ہے، خوب جان لو، ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ

ہمارے شرفا قتل ہوں، ہمارا مال برباد ہو جائے اور ہماری عزت خطرے میں پڑ جائے، اس وقت ایسا نہ ہو کہ مشکلات اور مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو۔‘‘

یہ سن کر سب انصار نے ایک زبان ہو کر کہا:

’’ہاں ہار سب کچھ جان کر بیعت کر رہے ہیں۔‘‘

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

’’میں تم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ تم اسی کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں پناہ دو اور جس طرح تم اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔‘‘

اس پر ان سب نے ان سے پوچھا:

’’اے اللہ کے رسول! اگر ہم یہ سب کریں گے تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔‘‘

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جنت!‘‘

یہ سنتے ہی انصار خوشی سے لبریز ہو گئے۔ ان کے دل جوشِ ایمان سے بھر گئے۔ فوراً بولے:

’’تو پھر جو آپ چاہتے ہیں، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔‘‘

اس کے بعد سب نے ایک ایک کر کے آپ سے بیعت کی۔ اسلام کی تاریخ میں اس بیعت کی بہت اہمیت ہے۔ اس کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت واقعی عرب اور عجم کے خلاف اعلانِ جنگ کے برابر تھی۔ اس وقت عرب کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے میں یہ جرأت نہیں تھی کہ حق کا ساتھ دینے کا اعلان کرے۔ اس وقت یثرب کے یہ مقدس لوگ اٹھے اور حق کے لیے جانوں اور مالوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کا اعلان کیا اور پھر اس عہد کو پورا بھی کر کے دکھایا۔ زندگی کے آخری سانس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرح ساتھ دیتے رہے۔

جب یہ بیعت ہو چکی تو حضرت عباس بن عُبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر گرم جوش انداز میں کہا:

''اے اللہ کے رسول! اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم صبح ہوتے ہی اسلام کے دشمنوں کو اپنی تلواروں کا مزا چکھائیں۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''نہیں! ابھی اس کا حکم نہیں ہوا۔''

بیعت کے بعد حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں ہی ٹھہر گئے۔ جب مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا، تب یہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے پہلے قباء پہنچے۔ قباء میں چند دن ٹھہرنے

کے بعد آپ مدینے تشریف لے گئے، راستے میں بنو سالم کے محلے سے گزرے۔ یہاں حضرت عباس بن عبادہ اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما رہتے تھے۔ انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارا گھر حاضر ہے، آپ یہاں قیام فرمائیں، لیکن یہ سعادت حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھی، اس لیے آپ نے ان کے جذبے کی تعریف فرمائی اور دعائیں دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

چند ماہ بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا تو حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑے صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنادیا۔

غزوہ بدر میں حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ احد کی لڑائی کا موقع آیا تو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کا رنج اس طرح دور کیا کہ سر سے کفن باندھ کر نکلے اور لڑتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے راستے میں پیش کردیا۔

حافظ ابن دینار نے الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ شہادت سے پہلے کچھ عرصہ تک اصحابِ صفہ میں بھی شامل رہے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

تم وہی ہو

وہاں ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ عرب کے کونے کونے سے لوگ اس میلے میں شرکت کے لیے آتے تھے۔ اسی لیے یہ بازار ایک عظیم قومی میلے کا بازار بن گیا تھا۔ اس بازار کا نام تھا ''عکاظ''۔

ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو ساتھ لیا اور میلے میں پہنچ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب اعلانِ نبوت کو تین سال ہو چکے تھے اور چوتھا سال شروع ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانیہ تبلیغ کرنے کا حکم آ چکا تھا۔ ادھر آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کی، ادھر مکہ کے مشرکین نے ظلم وستم کا بازار گرم کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بازار میں، اس میلے میں اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میلے کے لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ مشرکین کی کافی تعداد آپ کے گرد جمع ہو گئی۔ وہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ جب خوب مذاق

اڑا چکے تو آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔

اس وقت میلے میں ایک نیک شخص موجود تھا۔ اس نے مشرکین کی زیادتیوں کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کو بھی دیکھا اور آپ کے پیغام کو بھی سنا، اس دوران وہ خاموش کھڑا رہا۔ جب مشرکین چلے گئے تو یہ آگے بڑھا اور پوچھا:

''آپ کون ہیں۔''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''میں اللہ کا نبی ہوں۔''

اس نے پوچھا:

''نبی کسے کہتے ہیں۔''

آپ نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے والے کو۔''

اس نے پوچھا:

''تو کیا واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے؟''

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی ہے۔''

اب اس نے سوال کیا:

''آپ کی دعوت کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

"یہ کہ اللہ کو ایک مانا جائے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ بتوں کی پرستش نہ کی جائے۔ قرابت داروں سے محبت کی جائے، ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔"

اب اس نے پوچھا:

"کوئی شخص آپ پر ایمان بھی لایا ہے؟"

آپ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ دونوں بھی...... ایک آزاد اور ایک غلام...... مجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔"

اب اس نے پوچھا:

"اسلام کیا ہے؟"

جواب میں آپ نے فرمایا:

"اللہ کے راستے میں صبر و رضا کا نام ایمان ہے۔"

اس نے پوچھا:

"اسلام کا اعلیٰ درجہ کیا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"دوسروں کو نہ زبان سے برا کہے، نہ بدنی تکلیف پہنچائے۔"

وہ بولا:

''ایمان کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''کردار کے حسن سے ایمان میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔''

اس پر اس نے کہا:

''اے اللہ کے نبی! میں بھی آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں، بتوں کی پرستش سے انکار کرتا ہوں اور قرابت داروں سے حسنِ سلوک میری زندگی کا طریقہ ہوگا۔''

آپ نے اس سے فرمایا:

''اے بھائی! آج کل ہم لوگ ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ان کو برداشت کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے، فی الحال تم اپنے وطن لوٹ جاؤ، جب سنو کہ مجھے غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو اس وقت جہاں پر میرا قیام ہو، آ جانا۔''

وہ شخص آپ کے حکم کی تعمیل میں اپنے وطن لوٹ گیا، لیکن وہ خالی ہاتھ نہیں گیا تھا، وہ تو ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر گیا تھا۔

بنو سلیم کے یہ خوش قسمت جوان حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا شمار ان چند صحابہ میں ہوتا ہے جو جاہلیت کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ بت پرستی سے انکار کرتے تھے اور دینِ ابراہیم کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ ایسے لوگوں کو حُنَفا کہا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا۔ یہی خاتون حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کی بھی والدہ تھیں، یعنی دونوں ماں جائے بھائی تھے۔

الاصابہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہوش سنبھالتے ہی بتوں سے بیزار ہو گئے تھے۔ اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ بت پرستوں کو صریح گمراہ خیال کرتے تھے۔ ایک بار ان کی ملاقات ایک اہلِ کتاب سے ہوئی، اس نے انھیں بتایا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سرزمینِ مکہ سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، وہ لوگوں کو بتوں کی عبادت سے منع کریں گے۔ ان دیکھے معبود کی عبادت کی دعوت دیں گے اور ان کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل ہو گی۔

یہ باتیں سننے کے بعد حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ انتظار کرنے لگے تھے کہ کب اس نبی کے ظہور کی خبر ملتی ہے۔ جو شخص بھی مکہ سے آتا، یہ اس سے وہاں کے تازہ حالات معلوم کرتے۔ آخر ایک دن مکہ سے آنے والے ایک شخص نے انھیں بتایا کہ محمد نامی ایک شخص نے نبوت کا اعلان کیا ہے اور وہ بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔ ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

یہ اطلاع ملتے ہی یہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ پہنچے اور عکاظ کے میلے میں آپ سے ملاقات کی۔ جب ان کا اطمینان ہو گیا کہ یہ وہی ہیں جن کا اسے انتظار تھا تو ایمان لے

آئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ملاقات کے موقعے پر ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ناحق قتل سے بچا جائے اور راستوں پر امن رکھا جائے یعنی لوٹ مار نہ کی جائے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد کئی سال تک اپنے وطن میں رہے، اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے، بدر، اُحد، احزاب اور خیبر کے معرکے ہو چکے تھے، تب کہیں جا کر مدینہ منورہ کے کچھ لوگ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی صحرائی بستی سے گزرے۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''مکہ سے جو صاحب تمہارے ہاں آئے ہیں، ان کا کیا حال ہے۔''

انھوں نے سارے حالات انھیں سنا دیے۔ اب تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ آپ سے ملاقات کے لیے بے چین ہو گئے، اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے پہچانتے ہیں۔''

آپ نے مسکرا کر فرمایا:

''ہاں! تم وہی ہو جو مجھ سے مکہ میں آ کر ملے تھے اور میری رسالت کی تصدیق کی تھی۔''

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''بے شک اے اللہ کے رسول! میں وہی ہوں۔''

پھر انھوں نے درخواست کی کہ انھیں دین کی تعلیم دی جائے۔ اس طرح انھوں نے تعلیم حاصل کی اور پھر مستقل طور پر مدینہ میں ہی رہنے لگے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ان دس ہزار صحابہ میں شریک تھے جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور جنھیں قدیم کتابوں میں قدسی نفوس کہہ کر پکارا گیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے غزوہ طائف میں بھی شرکت کی۔ ۸ ہجری کو مکہ معظّمہ فتح ہوا۔ اس کے بعد بھی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے غزوات میں شرکت کی، پھر ۱۱ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے۔ دوسروں کو بھی ہدایت دیتے تھے کہ صراطِ مستقیم پر چلو۔ آپ احادیث کے راوی بھی ہیں، ان سے بہت سی احادیث روایت کی گئیں۔

ان کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

نصیب کی بات

غزوہ احد کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لیے ان کی نظر ایک شخص پر پڑی۔ ان کا نام عمرو بن امیہ تھا۔ عمرو نے ایک خنجر کپڑوں میں چھپایا اور ایک تیز رفتار اونٹ پر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چھ دن کے بعد مدینہ کے قریب ایک مقام پر پہنچے۔ وہاں سے پوچھتے ہوئے آگے چلے۔ اس طرح مسجد بنی الاشہل میں پہنچ گئے۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ آپ کی نظر عمرو بن امیہ پر پڑی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"دیکھو! کون چلا آ رہا ہے، اس کا ارادہ نیک نہیں لگتا۔"

یہ سنتے ہی حضرت اُسید بن حُضیر انصاری رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور لپک کر انھیں اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ تلاشی لینے پر ان کے کپڑوں سے خنجر برآمد ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سچ بتا! تو کون ہے اور کس نیت سے یہاں آیا ہے؟''

اس پر انھوں نے کہا:

''اگر آپ مجھے قتل نہ کرنے کا وعدہ کریں تو میں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے تمام بات بتا دی۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا:

''اس نے سچ بولا، میں اس کا قصور معاف کرتا ہوں۔''

عمرو بن امیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے، اب اپنے لیے معافی کا اعلان سن کر وہ رہ نہ سکے، قدموں میں گر گئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ تین ہجری کے آخر میں پیش آیا۔ (طبقات ابن سعد)

سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوضمرہ قبیلے سے تھا۔ یہ قبیلہ بدر کے شمال میں آباد تھا۔ آپ بہت تیز رفتار تھے، ذہین تھے، جرات اور دلیری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ایک مدت تک کفر اور شرک میں مبتلا رہے۔ اس دوران بدر اور احد کے معرکوں میں مشرکین کی طرف سے حصہ لیا۔

چار ہجری میں بنوکلاب کا رئیس عامر بن مالک نجد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، البتہ آپ سے یہ درخواست کی کہ اس کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دیں، وہ اس کی قوم کو اسلام کی دعوت دیں، آپ اپنے صحابہ کو اس کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ نہ ہوئے، اس لیے کہ عامر بن مالک کا بھتیجا عامر بن طفیل مسلمانوں کو چند دن پہلے دھمکی دے چکا

تھا۔اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط میں لکھا تھا کہ اسے اپنا جانشین بنالیں یا پھر ہموار زمین والوں پر آپ حکومت کریں اور چٹیل زمین والوں پر وہ کرے گا۔ اگر یہ بات منظور نہیں تو پھر وہ بنوغطفان کے ہزاروں جنگ جو ساتھ لے کر مدینہ پر چڑھائی کردے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عامر بن مالک کی درخواست قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، لیکن عامر بن مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ جن لوگوں کو آپ میرے ساتھ بھیجیں گے، ان کی حفاظت اور سلامتی کا ضامن ہوں گا۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ستر صحابہ کو اس کے ساتھ نجد روانہ فرمایا۔ ان میں عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اللہ کے ان پاک باز بندوں میں اصحابِ صفہ بھی شامل تھے۔ انصار تھے، یہ لوگ قرآن کریم کے حافظ تھے، قراء کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ روانہ کیا۔ یہ حضرات مدینہ سے روانہ ہو کر بیئر معونہ کے مقام پر پہنچے۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا گیا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط عامر بن طفیل کو دیا۔ اس بدبخت نے خط پڑھنا گوارا نہ کیا اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو شہید کرادیا۔ اب عامر بن طفیل نے اپنے قبیلے سے کہا کہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں۔ وہ ہچکچائے، کیوں کہ عامر بن مالک انھیں اپنی ضمانت پر لایا تھا۔ اس پر عامر بن طفیل نے اردگرد قبائل رعل، ذکوان

اور قارہ کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ صحابہ کرام نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن دغا باز بہت بڑی تعداد میں تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اس طرح حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے تھے۔ کفار نے انھیں مردہ خیال کیا۔ ان لمحات میں حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اپنے ایک انصاری ساتھی کے ساتھ مسلمانوں کے جانور چرانے گئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے آسمان پر گدھ اڑتے دیکھے تو پریشان ہوئے اور خیال کیا کہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ فوراً بیرِ معونہ کی طرف پلٹے۔ وہاں پہنچے تو سارے ساتھیوں کو خون میں ڈوبا پایا۔ دغا باز دشمن خون آلود تلواریں لیے وہاں موجود تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے کہا:

''چلو! واپس چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کی اطلاع دیں۔''

ان کے ساتھی نے کہا:

''میرا دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑ دوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے ساتھیوں کے لاشے پڑے ہیں۔''

اب ان دونوں نے بھی تلواریں سونت لیں اور دشمن کو للکارتے ہوئے مردانہ وار آگے بڑھے۔ اب یہ صرف دو تھے اور دشمن سینکڑوں، لیکن ادھر تو شہادت مطلوب تھی، زبردست انداز میں لڑتے رہے۔ انصاری مجاہد تو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، لیکن عمرو

بن امیہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے گرفتار کرلیا۔ عامر بن طفیل کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مان رکھی تھی۔ اس نے اپنی ماں کی منت پوری کرنے کے لیے انھیں آزاد کردیا۔ یہ بھی روایات ہیں کہ وہ چند دن ان کی قید میں رہے، پھر قید سے نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ مدینہ پہنچ کر بیئر معونہ کا تمام واقعہ بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ایک ماہ تک صحابہ کرام کے ان قاتلوں کے حق میں بددعا فرماتے رہے۔

سن چھ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھے۔ ایک خط نجاشی کے نام تھا۔ یہ خط عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ نجاشی نے آپ کے خط کو سر آنکھوں پر لگایا۔ مسلمان تو وہ پہلے ہی ہو چکے تھے، اس خط میں بیعت کی دعوت بھی دی گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھی دیا تھا۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس زمانے میں حبشہ میں تھیں۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے نکاح کا پیغام ان تک پہنچایا۔ انھوں نے نکاح منظور فرمایا۔ اس طرح یہ نکاح نجاشی نے پڑھا۔ نکاح کے بعد نجاشی نے تمام حاضرین کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔

یہ حضرات جب واپس مدینہ کی طرف پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا...... اس طرح

مسلمانوں کو دہری خوشی نصیب ہوئی۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ آپ کی وفات مورخوں نے ۶۰ ہجری کے آس پاس لکھی ہے۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے [illegible] چھوڑے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

چار خوش نصیب بھائی

چار نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبوت کے اعلان کو ابھی صرف اڑھائی سال گزرے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم کو دین کی تبلیغ کا مرکز بنا چکے تھے، اب جو کوئی ایمان لانا چاہتا، دارارقم کا رخ کرتا تھا۔

یہ چار نوجوان بھی اسی غرض سے آئے تھے۔ ان کا تعلق بنولیث سے تھا۔ چاروں سگے بھائی تھے۔ دارارقم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچ کر بولے:

"اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی دعوت پر ایمان لاتے ہیں، ہمیں بھی اپنے حلقے میں شامل فرمالیجئے۔"

چاروں قریشی تھے۔ آپ نے ان کے جذبے کی تعریف فرمائی پھر ان سے پوچھا:

"تمہارے نام کیا ہیں۔"

ایک نے اپنا نام خالد، دوسرے نے عامر، تیسرے نے ایاس اور چوتھے نے غافل بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سن کر فرمایا:

”غافل نہیں، آج سے تمھارا نام عاقل ہے۔“

انھوں نے فوراً کہا:

”بہت بہتر!“

اسی دن سے انھیں عاقل کہا جانے لگا۔ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا پورا نام عاقل بن بکیر لیثی تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی تو مسلمان آہستہ آہستہ کفار کی نظر بچا کر مدینے کا رخ کرنے لگے، انھوں نے سالہا سال تک ان کفار کا ظلم وستم برداشت کیا تھا۔ اب کفار یہ کیسے پسند کرتے کہ مسلمان بچ کر نکل جائیں، اسی لیے وہ بھی مسلمانوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں مکہ سے ہجرت کرنا سخت مشکل کام تھا۔ اس لیے سب نے چھپ کر ہجرت کی، لیکن جس دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا، اس دن انھوں نے سب سے پہلے ان کافروں کے سامنے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد قریش کے مجمعے کے پاس جا کر بلند آواز میں اعلان فرمایا:

”بدبختو! تم میں سے جو کوئی اپنی ماں کو بے اولاد کرنا چاہتا ہے، اپنی اولاد کو یتیمی کا صدمہ دینا چاہتا ہے، اپنی بیوی کو بیوہ کرنا پسند کرتا ہے، بس وہی میرا تعاقب کرے،

میں یہاں سے مدینے جارہا ہوں، جس میں ہمت ہے، روک کر دکھائے۔"

تمام مشرکین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعلان سنا، لیکن کوئی تعاقب کرنے یا ان کا راستا روکنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیس اور مسلمانوں نے بھی ہجرت کی۔ ان بیس مسلمانوں میں حضرت عاقل رضی اللہ عنہ اور ان کے تینوں بھائی بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان چاروں نے اپنے بیوی بچوں سمیت ہجرت کی تھی، گویا اپنے گھروں کے دروازے بالکل بند کر کے رخصت ہوئے تھے۔

مدینے میں چاروں بھائی حضرت رفاعہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا تو حضرت عاقل رضی اللہ عنہ کو حضرت مخذر بن زیاد رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔

ہجرت کے بعد ۱۷ر رمضان المبارک ۲ ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ اس میں عاقل رضی اللہ عنہ اور ان کے تینوں بھائیوں نے شرکت کی اور بہت جذبے سے لڑے، حضرت عاقل رضی اللہ عنہ تو گویا دنیا سے بے خبر ہو کر لڑ رہے تھے۔ ایسے میں ایک مشرک مالک بن زہیر نے تاک کر ان پر نیزے کا بھرپور وار کیا اور آپ شہید ہو گئے۔

اس طرح ایمان لانے میں سبقت لے جانے والوں میں شامل ہوئے اور سب سے پہلے مہاجرین میں بھی شامل ہو گئے۔ پھر بدر کے شہدا میں شامل ہو کر اتنا بلند مقام حاصل کر لیا۔ کس قدر خوش نصیب تھے۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ان پر رشک کیا

کرتے تھے۔

حضرت عاقل رضی اللہ عنہ کے بھائی خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ بھی کچھ زیادہ پیچھے نہ رہے، انھوں نے غزوہ احد میں بہادری سے جنگ کی۔ اور سریہ رجیع میں شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔

چوتھے بھائی حضرت ایاس رضی اللہ عنہ نے بھی تمام غزوات میں شرکت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ مورخین کے مطابق انھوں نے ۳۴ ہجری میں وفات پائی۔

چاروں بھائی کس قدر خوش نصیب تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

شہر بسانے والے

بصرہ کا نیا شہر مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے بسایا گیا تھا۔ جب یہ شہر آباد ہوا تو نئی تعمیر ہونے والی جامع مسجد میں پہلا جمعہ پڑھنے کے لیے سارا شہر اُمڈ آیا۔ اس دن لوگ مسرت اور شکر کے ملے جلے جذبات سے لبریز تھے، اللہ کے ذکر سے مسجد میں گونج سی سنائی دے رہی تھی۔

پھر جمعے کا خطبہ شروع ہوا۔ لوگ ساکت ہو کر خطبہ سننے لگے۔ خطبہ دینے والے کے جسم پر کھدر کا معمولی لباس تھا۔ اس کا چہرہ نورانی تھا، نقوش دل کش تھے۔ اس نے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، اس کے بعد کہا:

''لوگو! یہ دنیا چند روزہ ہے، بہت جلد ختم ہو جائے گی، اس کا زیادہ حصہ گزر چکا، تھوڑا باقی ہے، بس اتنا ہی جیسے کسی برتن کا پانی گرا دیا جائے تو بعد میں کچھ دیر تک قطرہ قطرہ ٹپکتا رہتا ہے۔ بے شک تم اس دارِ فانی سے بہت جلد ایسی جگہ جانے والے ہو، جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔ وہ ٹھکانا ابدی ہوگا، پھر تم کیوں اس ابدی ٹھکانے کی تیاری نہیں

کرتے۔

لوگو! مجھے میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، جہنم اس قدر وسیع ہے کہ اس کے کنارے پتھر پھینکا جائے تو ستّر سال میں بھی اس کی تہہ میں نہیں پہنچتا اور اللہ کی قسم! ایک دن جہنم بھر جائے گی، کیا تمھیں اس پر تعجب نہیں، اور اللہ کی قسم! مجھے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، جنت اس قدر وسیع ہوگی کہ اس کا ایک دروازہ دوسرے دروازے سے چالیس سال کے فاصلے پر ہوگا، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جنت کے حق داروں کا اس میں بے پناہ ہجوم ہوگا۔

لوگو! ایک دن وہ تھا کہ میرے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چھے آدمی تھے اور ہماری تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ درختوں کے پتوں کے سوا کھانے کے لیے ہمیں کوئی چیز میسر نہیں تھی، یہاں تک کہ ہمارے جبڑے چھل گئے اور ہمارے لباس کا یہ حال تھا کہ ایک دن میں نے ایک چادر پڑی پائی تو اس کو پھاڑ کر ایک کا تہبند بنایا اور دوسرے ٹکڑے کا تہبند سعد بن ابی وقاص نے بنایا۔ آج اللہ نے ہم پر فضل کیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھوں، حالانکہ اس کے نزدیک میں حقیر ترین مخلوق ہوں۔

لوگو! اچھی طرح سن لو، نبوت ختم ہو چکی ہے اور لگتا ہے، آخر کار بادشاہت قائم ہوگی، سو تم ہمارے بعد آنے والے امیروں کو آزما کر دیکھ لینا۔''

ان کے اس خطبے سے لوگوں کے دل بھر آئے، بہت سے تو رونے لگے۔ بصرہ کے

یہ خطیب جنھوں نے اس وقت کے لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا نقشہ کھینچا اور آنے والے دور کی جھلک دکھا کر سچے مسلمان بننے کی تلقین کی، کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ وہ بصرہ کے امیر یعنی گورنر، حضرت عتبہ بن غزوان مازنی رضی اللہ عنہ تھے۔ تیس ہزار آدمیوں پر حکمران تھے، فوج اور خزانے کے مالک تھے، لیکن عالم یہ تھا کہ کھدر کا موٹا لباس پہنے ہوتے تھے۔ بیت المال سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات کے لیے لینا حرام سمجھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے انھیں ایک مثالی انسان اور مثالی حکمران بنا دیا تھا۔

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تیس برس کے تھے کہ فاران کی چوٹیوں سے اسلام کا سورج طلوع ہوا اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف بلانے کا آغاز فرمایا۔ مکہ معظّمہ کے لوگوں پر یہ دعوت بجلی بن کر گری۔ وہ تو بتوں کے پجاری تھے، آگ بگولا ہو گئے۔ اسلام کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ دین کی اشاعت کو روکنے کے لیے انھوں نے ظلم وستم کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کے کانوں تک جونہی اسلام کی دعوت پہنچی، فوراً آگے بڑھے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں شامل ہو گئے۔ قریش نے ان پر بھی سختیاں کیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ اس طرح حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ دوسری مرتبہ جانے والے ۸۲ مردوں

اور ۲۰ خواتین میں شامل تھے، یہ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد انھیں ستاتی رہی، چنانچہ واپس آ گئے۔ اس وقت تک مدینہ کی طرف ہجرت شروع نہیں ہوئی تھی اور مسلمان بدستور ظلم کا نشانہ بن رہے تھے۔

مدینہ منورہ کی طرف صحابہ کی ہجرت شروع ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ انھی دنوں کافروں نے ایک دستہ مدینہ کے مسلمانوں کی ٹوہ لینے کے لیے بھیجا۔ اس دستے میں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ ایک صحابی حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش نے ان دونوں کے شامل ہونے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ شاید وہ دونوں ان کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا ایک دستہ گشت لگانے پر مقرر فرمایا تھا۔ اس دستے کا آمنا سامنا مشرکوں کے اس دستے سے ہو گیا۔ لڑائی شروع ہوئی تو قریش بھاگ نکلے، لیکن عتبہ بن غزوان اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما مسلمانوں میں آ ملے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا تو انھیں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ بدر کے میدان میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس طرح انھیں بدری صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ بہترین تلوار باز اور تیر انداز تھے، تمام

غزوات میں اپنے تیروں سے دشمنوں کے سینے چھید ڈالے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر یہ چودہ سو صحابہ میں شامل تھے۔ اس طرح انھیں بیعتِ رضوان میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

فتح مکہ کے موقعے پر آپ ان دس ہزار قدسی انسانوں میں شامل تھے جن کا ذکر سابقہ آسمانی کتب میں آیا ہے۔ غزوہ تبوک میں بھی آپ شریک تھے۔ ۱۰ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اس میں قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان شریک ہوئے۔ ان میں بھی حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں کچھ مہمات پر بھیجا۔ وہ بصرہ کے گورنر بھی مقرر ہوئے، انھیں بحری مہمات پر بھی بھیجا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے رُبلّہ کی بندرگاہ کے قریب ایک شہر بسائیں۔ عتبہ رضی اللہ عنہ آٹھ سو آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے اور خریبہ کے مقام پر آئے۔ یہاں اب بصرہ آباد ہے، اس وقت یہ میدان تھا۔ اس جگہ کی زمین مسلمانوں کے مزاج کے مطابق تھی۔ اس طرح حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے وہاں شہر کی بنیاد رکھی۔ مختلف قبیلوں کے لیے الگ الگ احاطے مقرر فرمائے۔ گھاس اور پھونس کے مختلف مکان بنوائے۔ پھر جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب خیال کیا، وہاں اتارا۔ جامع مسجد اور سرکاری عمارتیں بھی بنوائیں۔

بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں، اس جگہ کی زمین ایسی ہی تھی۔ اس لیے اس شہر کا نام بصرہ مشہور ہوا۔ یہاں سے ہر طرف کو راستے نکلتے تھے۔

بصرہ کی تعمیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کو اس شہر کا امیر مقرر کیا۔ چھے ماہ تک انھوں نے اپنا کام خوش اسلوبی سے کیا، لیکن یہ کام ان کی طبیعت کے مطابق نہیں تھا۔ امارت کا بوجھ اٹھانا انھیں پسند نہیں تھا۔ اس لیے اس عہدے سے الگ ہو گئے۔

بصرہ سے رخصت ہوتے وقت آپ نے وہاں کے لوگوں سے فرمایا:

"اے اہلِ بصرہ! گناہوں سے بچنا، اور نیکی کی ہمت اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتے ہیں۔ میں اب جا رہا ہوں، جب تمھیں میرے بعد کے حکام سے واسطہ پڑے گا تو جان لو گے۔"

اس جملے سے ان کا یہ مطلب تھا کہ معلوم ہو جائے گا، آج کے امیروں کے مقابلے میں بعد میں آنے والے امیر کیسے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کے بعد جن حکام سے واسطہ پڑا، حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل تھے۔

بصرہ سے حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے بصرہ کے مکمل حالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنائے اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استعفیٰ منظور کرنے سے انکار کر دیا

اور انھیں اپنے عہدے پر جانے کا حکم دیا۔ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے اور واپس بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن ان کی دلی آرزو تھی کہ اللہ انھیں امارت کی ذمے داری سے بچالے، اللہ کی قدرت کہ راستے میں اونٹ سے گرے، شدید چوٹ آئی، چنانچہ بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

آپ کی عمر ۵۷ سال تھی۔ اللہ کی ان پر ہزار ہار حمتیں ہوں۔

☆☆☆

ہم وہ نہیں

ایک شخص سے کسی بات پران کا جھگڑا ہو گیا۔ انھوں نے تلوار سے اس پر وار کیا۔ وہ زخمی ہو گیا۔ یہ اپنے خاندان سمیت کندہ سے مکہ آ گئے تا کہ یہ دشمنی آگے نہ بڑھے۔

بہت زیادہ بہادر اور جری تھے۔ مکہ کے لوگ انھیں پسند کرنے لگے۔ مکہ میں رہتے ہوئے انھیں ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اسلام کی آواز سنائی دینے لگی۔ جونہی ان کے کانوں تک توحید کی دعوت پہنچی، کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ہاتھ آپ کے دستِ مبارک میں دے دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ توحید کی دعوت کی کامیابی بہت مشکل نظر آتی تھی۔ مسلمانوں کی مختصر جماعت قریش کے ظلم کا نشانہ بن رہی تھی۔

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تو یوں بھی مکہ کے رہنے والے نہیں تھے۔ کندہ سے بھاگ کر آئے تھے، کندہ یمن کا علاقہ ہے، چنانچہ ان پر تو اور زیادہ ظلم ڈھایا گیا، لیکن

یہ بھی بہت طاقت ور اور دلیر تھے... بہت باہمت تھے۔ ان کے قدم ذرا نہ ڈگمگائے۔ اسلام کو سینے میں کیا جگہ دی کہ مشرکین کے خوف سے بے نیاز ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق یہ ان سات مسلمانوں میں سے ایک ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اسلام کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب یہ ایمان لائے، اس وقت بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر بھی ان کے شروع میں ایمان لانے میں کوئی شبہ نہیں۔

جب کفار کا ظلم انتہا کو پہنچا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پا کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حبشہ کی طرف جو دوسری ہجرت ہوئی، اس میں قریباً ۸۳ مسلمان تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک مدت حبشہ میں گزار کر یہ پھر مکہ آ گئے۔ اس وقت تک مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت مل چکی تھی اور مسلمان مسلسل مدینہ کا رخ کر رہے تھے۔ حضرت مقداد کے راستے میں کچھ ایسی رکاوٹیں ڈالی گئیں کہ یہ ایک عرصہ تک مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے۔ اس طرح کچھ مسلمان اور بھی ہجرت نہ کر سکے تھے، ا ر ہجری میں انھیں ہجرت کا موقع مل سکا۔

رمضان ۲ ر ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ اس وقت مسلمان بے سروسامان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اس موقعے پر سب سے پہلے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پر جوش تقاریر کیں۔ ان کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے:

''اللہ کے رسول! ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کہہ دیں، آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ جی نہیں! اللہ کے رسول! ہم تو کہتے ہیں، چلیے جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے، اس طرف چلیے، اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے، اللہ کی قسم جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کرتی ہے، آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔''

ان الفاظ کو سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا۔ ان جملوں سے صرف آپ ہی خوش نہیں ہوئے، اس موقعے پر جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، سبھی جوش میں آ گئے، پھر جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی تو ہر ایک کو ان پر رشک آنے لگا۔ تاریخ کے سینے پر ان کے یہ الفاظ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گئے۔ یہ لافانی الفاظ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کیا کہے کہ بڑے بڑے صحابہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے:

''کاش! یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ہوتے۔''

آپ کا اصل نام مقداد بن عمرو کندی تھا، لیکن آپ مقداد بن الاسود کے نام سے

مشہور ہوئے۔ اسود آپ کے باپ کا نام نہیں تھا۔ مکہ کا ایک شخص اسود بن عبد یغوث تھا۔ اس شخص نے انھیں بیٹا بنالیا تھا۔ اس طرح ان کا نام مقداد بن اسود پڑا۔

بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہوئی تو یہ گھوڑے پر سوار تھے۔ بدر کے میدان میں گھوڑے بس دو ہی صحابہ کے پاس تھے۔ ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس، دوسرا حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

میدانِ کارزار گرم ہوا تو انھوں نے اپنی شہ سواری اور نیزہ بازی کے وہ کرتب دکھائے کہ دشمن خوف زدہ ہوگیا، جدھر رُخ پڑتے، مشرکوں کی صفیں الٹ دیتے۔ غرض لڑائی سے پہلے انھوں نے جو الفاظ ادا کیے تھے، ان کو عملی طور پر پورا کر دکھایا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اُحد، خندق اور دوسرے تمام مشہور غزوات میں جواں مردی دکھائی۔ شجاعت کا حق ادا کیا۔

۶ ہجری میں ایک شخص عبدالرحمٰن فزاری نے مدینہ سے چند میل دور واقع غابہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ چراگاہ کے گلہ بان حضرت ذر بن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس بد بخت نے انھیں شہید کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ دینے والی بیس اونٹنیاں ہانک کر لے چلا۔

مشہور صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور حضرت رباح رضی اللہ عنہ اتفاق سے ادھر آ نکلے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ایک ماہر تیر انداز اور بہت زیادہ رفتار سے

دوڑنے والے تھے۔ انھوں نے جب عبد الرحمٰن فزاری کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں لے جاتے دیکھا تو جوش میں بھر گئے۔ پہلے تو ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ کر بلند آواز سے نعرہ لگایا:

"یا صباحاہ۔ یا صباحاہ۔ یا صباحاہ۔"

اس نعرے کا مطلب ہے۔ مدد کے لیے آؤ۔ پھر خود درختوں کی آڑ لے کر عبد الرحمٰن فزاری اور اس کے ساتھیوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگ نکلا، لیکن جلد ہی اپنے ساتھ بہت سے اور ساتھیوں کو لے کر حملہ آور ہوا۔ ان حالات میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ خطرے میں گھر گئے، تاہم انھوں نے جواں مردی سے تیر اندازی جاری رکھی۔

ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ لٹیروں کا تعاقب کریں۔ اس وقت سب سے پہلے تین جانباز روانہ ہوئے۔ وہ تین یہ تھے۔ محرز بن نضلہ، ابوقتادہ انصاری اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم۔ محرز بن نضلہ، اخرم اسدی کے نام سے مشہور ہیں۔

اخرم اسدی تو رُکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے اور عبد الرحمٰن فزاری کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کے پیچھے ابوقتادہ تھے، انھوں نے عبد الرحمٰن فزاری پر جوش کے عالم میں حملہ کیا اور اس کا خاتمہ کر کے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کا بدلہ ساتھ ہی لے لیا۔ اتنے میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ اب ان تینوں نے ان ڈاکوؤں پر تابڑ توڑ

حملہ کر کے انھیں اپنے نیزوں کی نوک پر رکھ لیا۔ بد بخت لٹیرے لگے بھاگنے، انھوں نے ان کا تعاقب جاری رکھا اور انھیں دور تک مارتے کاٹتے چلے گئے۔ جب یہ مجاہدین رات کے وقت ذی قریہ کے مقام پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ سو مجاہدین کے ساتھ وہاں پایا۔ آپ نے سلمہ رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور دوسرے مجاہدین کی جاں بازی کی تعریف فرمائی۔

اسی سال مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا موقع ملا۔

فتح مکہ کے بعد عرب کے کونے کونے سے قبائل کی آمد شروع ہوئی، وہ آتے اور اسلام قبول کرتے۔ انھی دنوں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگ بھی آئے اور انھی کے ہاں ٹھہرے۔ آپ نے ان کا استقبال کیا، ان کے لیے ایک خاص کھانا تیار کروایا۔ اس کو حیس کہتے ہیں۔ یہ کھجور، ستو اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے یہ کھانا بہت شوق سے کھایا۔ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کھانے میں سے ایک پیالہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے ضرورت کے مطابق تناول فرمایا اور باقی واپس کر دیا۔ اب مقداد رضی اللہ عنہ دونوں وقت وہی پیالہ مہمانوں کے آگے رکھنے لگے۔ وہ خوب سیر ہو کر کھاتے، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ حیس بچ رہتا۔ ایک دن انھوں نے حیران ہو کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''ہم لوگوں نے تو سنا تھا، تم لوگوں کی خوراک جو اور کھجوریں ہیں، لیکن تم جو کھانا مسلسل کئی روز سے ہمیں کھلا رہے ہو، یہ تو اتنا لذیذ ہے کہ ہمیں اپنے گھروں میں کم ہی ملتا ہے، آخر تم کہاں سے مہیا کرتے ہو۔''

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ یہ سن کر مسکرائے، پھر فرمایا:

''دوستو! میں کس قابل ہوں، یہ تو میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ آپ کی انگلیاں مبارک اس کھانے کو چھو چکی ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ سب ایک زبان ہو کر بول اٹھے:

''بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقعے پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مصر پر چڑھائی کی گئی۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس معرکے میں حصہ لیا۔ شام کی لڑائیوں میں بھی حصہ لیا۔

آپ نے سن ۳۳ ہجری میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

ان کی تڑپ

احد کی لڑائی سے ایک دن پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی:

”اے اللہ! کل جب دشمن سے میرا سامنا ہو تو ایسا آدمی میرے مقابلے پر آئے سخت جنگ جو اور غضب ناک ہو، وہ مجھ سے لڑے اور میں اس سے لڑوں، پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرما تاکہ میں تیری راہ میں اسے قتل کر دوں۔“

ان کی اس دعا پر ایک صاحب نے آمین کہی اور خود یہ دعا مانگی:

”اے میرے اللہ! کل میرے مقابلے میں ایسا آدمی آئے جو بڑا بہادر اور تند ہو، میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے تیری راہ میں اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں۔ پھر وہ میرے ناک، کان کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں، اے اللہ! تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے، میرے جواب پر تو فرمائے، ہاں تو سچ کہتا

ہے۔"

یہ دوسری دعا کرنے والے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، دوسرے دن جب احد کا معرکہ ہوا، تو عبداللہ بن جحش اس قدر جوش سے لڑے کہ انھیں اپنے سر پیر کا ہوش نہ رہا، لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں انھیں کھجور کی ایک مضبوط چھڑی عطا فرمائی۔ انھوں نے اس سے تلوار کا کام لیا اور دیر تک مشرکوں سے لڑتے رہے۔ اس حالت میں ان پر تلوار کا ایک وار ہوا اور وہ شہید ہو گئے۔ مشرکوں نے ان کے ناک کان کاٹ لیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کی لاش کے پاس سے گزرے، ان پر نظر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھے:

"اللہ کی قسم! عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔"

خود انھیں اپنی دعا کے پورا ہونے کا اتنا یقین تھا کہ شہید ہونے سے پہلے قسم کھا کر انھوں نے یہ الفاظ کہے:

"الٰہی! میں تیری راہ میں لڑوں گا، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں گا اور دشمن میری لاش کا مُثلہ کریں گے۔ (یعنی میرے ناک کان کاٹیں گے)

اللہ نے ان کی قسم کو ان کی آرزو کے عین مطابق پورا کیا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ آپ ...ور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ ام المومنین ...ت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ ...وسلم کے برادرِ نسبتی تھے۔

ان کی عمر چوبیس پچیس کی ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان ...یا، اسلام کی دعوت شروع فرمائی، جونہی ان کے کانوں تک اسلام کی دعوت پہنچی، یہ ...ا ایمان لے آئے۔ اس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شریک ...ئے۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں ...ریف نہ لے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی تین بہنوں اور دو بھائیوں نے بھی ...سلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے ہی یہ گھرانہ بھی قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنا۔ لہٰذا ...یں بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ حبشہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھائی ...اللہ مرتد ہوگیا۔ اس نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی اور اسی حالت میں مر ...یا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو عبیدہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ...یان رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا، انھوں نے قبول کرلیا، نجاشی نے غائبانہ ان کا ...نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروایا، اس طرح یہ حضرات حبشہ سے مدینہ آ گئے۔ نبی ...اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھائی حضرت عاصم بن

ثابت رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

رجب ۲ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کے ساتھ ایک مہم پر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک بند خط دیا اور ہدایت فرمائی کہ فلاں مقام پہ پہنچ کر خط کو کھولنا۔ ان کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عتبہ بن غزوان، عقاشہ بن محصن اور واقد بن عبداللہ تیمی جیسے بڑے صحابہ تھے۔

دو دن بعد اس خاص مقام پہ پہنچ کر انھوں نے خط کھولا۔ لکھا تھا:

''تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہر و اور وہاں سے قریش کی نقل وحرکت کا پتا چلاؤ، کسی شخص کو اپنی مرضی کے خلاف ساتھ دینے پر مجبور نہ کرو۔ جو تمھارا ساتھ دینا چاہے، دے اور جو واپس آنا چاہے، واپس آ جائے۔''

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے یہ خط سب کو سنایا، سب نے آپ کا ساتھ دینے کا پکا ارادہ ظاہر کیا۔ اتفاق کی بات کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ اس طرف سے گزرا۔ مسلمانوں نے اس قافلے کے بارے میں مشورہ کیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک ہلاک ہو گیا، دو گرفتار ہوئے اور باقی اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا مالِ غنیمت تھا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ابھی اللہ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس مال کا پانچواں حصہ رکھ کر باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ اللہ تعالیٰ کو

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد یعنی یہ فیصلہ اس قدر پسند آیا کہ مالِ غنیمت کا پھر یہی حکم نازل ہوا۔ اس کو خمس کہتے ہیں۔ آپ مالِ غنیمت لے کر نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے تمہیں حرمت والے مہینے میں قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔''

بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ رجب کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، اس روز پہلی تاریخ تھی جب کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ اس روز جمادی الآخر کی آخری تاریخ ہے۔ رجب حرمت کا مہینا ہے۔ اس میں قتال حرام ہے، اس طرح یہ غلط فہمی پیدا ہوئی تھی۔ یہی وضاحت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کی۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ''(اے نبی) لوگ آپ سے ماہِ حرام کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا جائز ہے۔ کہہ دیجیے کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور مسلمانوں کو اس سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر (گناہ) ہے اور فساد انگیزی اور کشت وخون سے بھی بڑا جرم ہے۔''

گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بری قرار دیا۔ مطلب یہ کہ ماہِ حرام میں لڑنا واقعی بڑا گناہ ہے، لیکن شرک اور

کفر اور مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور اس میں سے نکال دینا کہیں بڑا گناہ ہے، اس لیے اے کافرو! تم کس منہ سے طعنے دیتے ہو۔

اس آیت کے نزول سے مسلمانوں کو حد درجے خوشی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کا خمس قبول کرلیا۔

اس کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس معرکے میں بہت بہادری دکھائی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی ولید بن ولید کو گرفتار کرلیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ شہادت پانے کے لیے بے چین رہتے تھے اور آخر آپ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ اللہ نے ان کی دعا کے مطابق انھیں شہادت عطا فرمائی۔

اللہ ان سے راضی ہو۔ آمین۔

☆☆☆

صبر کا امتحان

وہ اپنے باپ کی قید سے کسی طرح چھوٹ گئے اور اس مقام پر پہنچے جہاں مسلمانوں اور مشرکوں میں صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔

اور یہ بات ہے صلح حدیبیہ کی۔ اس کی ایک سخت شرط مشرکین کی طرف سے یہ تھی کہ ان کی طرف سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اسے واپس قریش کے پاس بھیجنا ہوگا، یعنی مسلمان اسے اپنے پاس نہیں رکھیں گے، اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی۔ جب کہ مسلمانوں کی طرف سے مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر اگر ان کی طرف آ گیا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

مسلمانوں کو اس شرط پر بہت حیرت ہوئی، بہت عجیب لگی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شرط تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ ابھی اس شرط پر بات چیت جاری تھی کہ یہ صاحب باپ کی قید سے کسی طرح نکل کر عین اس مقام پر پہنچ گئے، جہاں یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ آتے ہی وہ پکارے:

''مسلمانو! دیکھو! اسلام لانے کے جرم میں میرے والد نے میری کیا حالت بنادی ہے، کیاتم اپنے بھائی کواس مصیبت سے نجات نہیں دلاؤ گے۔''

ان کی خستہ حالت دیکھ کر مسلمان ہل کر رہ گئے۔ بے چین ہو گئے۔ دوسری طرف مشرکین بول اٹھے:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس صلح نامے پر دستخط ہم اسی صورت کریں گے جب آپ اس سر پھرے کو ہمارے حوالے کریں۔''

ان کی بات کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بھائی! یہ شرط تو ابھی لکھی بھی نہیں گئی۔ ابھی تو اس پر بات ہو رہی ہے، ابوجندل پر یہ شرط کیسے عاید ہوسکتی ہے۔''

مشرکین نے فوراً کہا:

''کچھ بھی ہو، جب تک ابوجندل کو ہمارے حوالے نہیں کیا جائے گا، ہم کسی شرط پر صلح نہیں کریں گے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ آخر کار آپ نے مشرکین کی شرط مان لی اور فرمایا:

''اچھا تم ابوجندل کو اپنے ساتھ واپس لے جاؤ۔''

ابوجندل یہ سن کر رونے لگے، پکار کر بولے:

''مسلمانو! آپ لوگ ایک مسلمان کو پھر مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں تا کہ وہ

اس پر ظلم وستم کا بازار پھر سے گرم کر سکیں۔ میرے جسم پر ان کی مار کے نشانات کو تو دیکھ لو۔''

ان کی فریاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! کیا آپ برحق پیغمبر نہیں ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! میں برحق پیغمبر ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا:

''کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔''

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک ہیں۔''

اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''پھر ہم دب کر صلح کیوں کریں؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمر! میں اللہ کا رسول ہوں، اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا حامی وناصر ہے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ اب حضرت ابوجندل

رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا آپ مجھے اس لیے قریش کے حوالے کر رہے ہیں کہ وہ مجھے دینِ حق سے پھیر دیں۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''ابو جندل! صبر کرو، نتیجہ بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گا۔ اللہ تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔''

چنانچہ ابو جندل کو اسی طرح زنجیروں میں باندھ کر قریش کے حوالے کر دیا گیا۔ صلح نامے پر دستخط ہو گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس مدینہ منورہ آ گئے، اس وقت اس صلح کے بارے میں سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے رسول! ہم نے تمھیں کھلی فتح عطا کی۔''

دراصل اس صلح کے نتیجے میں آیندہ جو کامیابیاں مسلمانوں کو حاصل ہونے والی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں ان کی خبر دی تھی، کیونکہ اکثر صحابہ یہ خیال کر رہے تھے کہ انھوں نے دب کر صلح کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو بنو ثقیف کے ایک مظلوم مسلمان حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کسی طرح کفار کے چنگل سے چھوٹ کر مدینہ آ گئے۔ مشرکین نے معاہدے کی رو سے واپسی کے لیے دو آدمی بھیج دیے۔ آپ نے

صلح نامے کے مطابق ابوبصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ راستے میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ آ گیا۔ اس نے سارا واقعہ سنایا، اتنے میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور آتے ہی کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو اپنی ذمے داری سے فارغ کر دیا، کیونکہ معاہدے کے مطابق آپ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا، اب یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے مجھے ان کے چنگل سے نجات عطا فرما دی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''اگر اس شخص کو کچھ ساتھی اور مل جائیں تو یہ جنگ کے شعلے بھڑکا سکتا ہے۔''

ابوبصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پھر مکہ والوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، چنانچہ یہ چپکے سے واپس ہو لیے اور مدینہ منورہ کے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے اور مکہ معظّمہ سے شام جانے والے تجارتی راستے پر ایک مقام کو انھوں نے اپنا ٹھکانا بنا لیا۔

چند دن بعد حضرت ابوجندل بھی کسی طرح مشرکین کی قید سے نکل بھاگے اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ اسی طرح کچھ اور مسلمان بھی قریش مکہ سے بچ کر وہاں آ گئے۔ رفتہ رفتہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے گرد کافی مسلمان جمع ہو گئے۔ اب ان کی ایک طاقت بن گئی۔ انھوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ پھر تو یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ قریش کے لیے کوئی تجارتی قافلہ بھیجنا مشکل ہو گیا۔

تجارت کے بغیر یہ لوگ بے کار تھے۔ ان کی معاشرتی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ آخر سب سر جوڑ کر بیٹھے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب مسلمانوں کو واپس نہ کرنے کی شرط کی وجہ سے ہوا ہے، جب تک یہ شرط باقی ہے، ان کے قبضے سے نکل جانے والے مسلمان قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے خطرہ بنے رہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ یہ شرط ختم کر دی جائے، چنانچہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر درخواست کی کہ آپ کو صلہ رحمی اور اللہ کا واسطہ، اس شرط کو منسوخ کر دیں، ابوبصیر، ابوجندل اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیں۔ آئندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا، وہ آزاد ہے۔ آپ اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی درخواست منظور کر لی۔ آپ نے ان حضرات کو ایک خط لکھا۔ آپ نے اس میں لکھا:

''ابوبصیر اور ابوجندل ہمارے پاس مدینہ آ جائیں، باقی لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔''

جب یہ خط پہنچا تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا آخر وقت تھا، خط پڑھتے پڑھتے ہی انتقال کر گئے۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر مدینہ چلے آئے۔

اس کے بعد انھوں نے فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں شرکت کی۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ کا اصل نام عاص تھا، لیکن یہ تاریخ میں ابوجندل کے نام سے

مشہور ہوئے... باپ کا نام سہیل تھا، سہیل قریش کے سرداروں میں سے تھے، ان کی اولاد ان سے بہت پہلے ایمان لے آئی، یہ خود فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، انھوں نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کی یہ سزا دی کہ انھیں بیڑیوں میں جکڑ کر رکھنے لگے۔ اس طرح انھوں نے سالہا سال تک مصیبتیں برداشت کیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک ابو جندل رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور بھی یہیں گزارا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ رومیوں کے خلاف بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ مسلسل چھے سال تک میدانِ جہاد میں سرگرم رہے۔

۱۸ ہجری میں طاعون کی وبا پھیلی۔ ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی اس وبا کی لپیٹ میں آ گئے اور گھر سے سیکڑوں میل دور میدانِ جہاد ہی میں وفات پائی۔ آپ کو شاعری کا بھی شوق تھا۔

اللہ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆
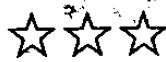
ایک تھے جری

مکہ معظمہ کی فتح کے بعد اسلام کی ہیبت چھا گئی۔ اسلام بہت تیزی سے پھیلنے لگا۔ عرب کے کونے کونے سے مختلف قبیلے وفد کی صورت میں آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔

۹ ہجری یا ۱۰ ہجری میں قبیلہ عبدالقیس کے عیسائیوں نے اپنا ایک وفد بھیجا۔ اس وفد میں ۲۰ کے قریب لوگ تھے۔ ایک روایت کے مطابق چالیس افراد تھے۔ یہ وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے سردار نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہلے سے ایک آسمانی دین نصرانیت کا پابند ہوں، اب آپ کے دین کے لیے اپنا دین چھوڑنے والا ہوں، کیا آپ اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے آخرت میں میری نجات ہو جائے گی۔"

جواب میں آپ نے فرمایا:

"ہاں میں ضمانت دیتا ہوں، اسلام تمہارے دین سے بہتر ہے۔"

آپ کا ارشاد سن کر سردار نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ باقی افراد نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام قبول کرنے پر بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے ان کی بہت عزت کی۔ اکرام کیا۔ عبدالقیس کے اس وفد کے یہ سردار حضرت جارود بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ کا شمار اہلِ کتاب صحابہ میں ہوتا ہے۔ اہلِ کتاب وہ صحابہ ہیں جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودی تھے یا عیسائی۔

حضرت جارود رضی اللہ عنہ کا اصل نام بشر تھا، کنیت ابو منذر تھی اور جارود ان کا لقب تھا۔ اس لقب نے اتنی شہرت پائی کہ اصل نام لوگ بھول گئے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک بار انھوں نے قبیلہ بکر بن وائل پر چھاپہ مارا اور اس کے تمام مویشی اور مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔ ان کے پاس سوئی تک نہ چھوڑی۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہوا۔ اسی روز سے انھیں جارود کہا جانے لگا۔ شاعر اپنے کلام میں ان کا نام ایک ہیرو کے طور پر لینے لگے۔

ایک روایت کے مطابق جب یہ اپنے قبیلے کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا تھا:

"جارود! تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔"

یہ سن کر حضرت جارود رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے اور بولے:

"اے اللہ کے رسول! اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں، میں نے

انجیل میں آپ کی صفات پڑھی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی ہے۔"

اس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت جارود رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ انھیں انجیل پر بھی عبور تھا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت جارود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا، پھر انھوں نے وطن جانے کا ارادہ کیا۔ چلنے سے پہلے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہماری کفالت کے لیے کچھ عنایت فرمایئے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس وقت بیت المال خالی ہے۔"

اس پر انھوں نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں لاوارث اونٹ مارے مارے پھرتے ہیں، کیا ان پر مالکانہ قبضہ جائز ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لاوارث اونٹ پر مالکانہ قبضہ دوزخ کی آگ کا حق دار بنا دیتا ہے۔"

دراصل اس وقت حالات ہی ایسے تھے۔ ان کے لیے کچھ انتظام نہ کیا جاسکا، لیکن ان کے لیے اسلام کی دولت کیا کم تھی۔ یہ حضرات خوش وخرم اپنے گھروں کی طرف

لوٹے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اس وقت سارے عرب میں اسلام دشمنوں نے طوفان اٹھا دیا۔ لوگ مرتد ہونے لگے، یعنی اسلام سے پھر گئے۔ قریش مکہ اور مدینہ کے مہاجرین اور انصار اور قبیلہ بنوثقیف کے سوا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس فتنے سے تھوڑا بہت متاثر نہ ہوا ہو۔

ادھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ ایمان کی ایسی قوت کا مظاہرہ کیا کہ کفر پر ہیبت طاری ہوگئی۔ چند ماہ کے اندر اندر انھوں نے اس فتنے کو کچل کر رکھ دیا۔ گیارہ لشکر ترتیب دے کر مختلف سمتوں میں روانہ فرمایا، ان لشکروں نے مرتدوں کا صفایا کر کے رکھ دیا۔

قبیلہ عبدالقیس بھی اس فتنے کی زد میں آیا۔ لیکن ان میں حضرت جارود رضی اللہ عنہ اسلام پر جمے رہے، وہ یوں بھی اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کو بہت سمجھایا۔ اسلام پر قائم رہنے کی پُر زور تلقین کی۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ گمراہ ہونے سے بچ گئے، لیکن اکثر لوگوں نے ان کی بات نہ سنی، مرتد ہوگئے، ان کا انجام ہولناک ہوا، ذلت کی موت مارے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علا بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط لشکر دے کر بحرین کی مہم پر روانہ فرمایا۔ انھوں نے بحرین پہنچ کر مرتدوں کا ایسا صفایا کیا کہ پھر کبھی وہاں مرتد سر نہ اٹھا سکے۔

حضرت جارود رضی اللہ عنہ بعد میں مستقل طور پر بصرہ میں رہنے لگے، وہاں سے جب مجاہدین ایران کی طرف روانہ ہوئے تو ان میں شامل ہو گئے۔ اس طرح آپ نے ایران کے خلاف جہاد میں حصہ لیا، تہامہ کی لڑائی میں بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

آپ اگرچہ بہت بعد میں مسلمان ہوئے، تاہم آپ فضل و کمال سے خالی نہیں تھے۔ آپ سے کچھ احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔ آپ حق بات کہنے کے عادی تھے۔ بہت جری اور بے باک تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

میں کسی سے نہیں ڈرا

خالد بن نبیح بہت بدصورت آدمی تھا۔اس کا قد بڑا تھا،جسم بہت طاقت ور تھا،جس قدر وہ بدصورت تھا، اتنا ہی اسلام دشمن تھا، اسلام کی مخالفت میں ہر وقت سرگرم رہتا تھا۔اس کی بدترین حرکتوں سے تنگ آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے درمیان فرمایا:

''خالد بن نبیح کا کام کون تمام کرے گا۔''

آپ کا فرمان سنتے ہی ایک صاحب فوراً اٹھے اور بولے:

'' اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کام میرے سپرد کر دیجیے،اور اس شخص کی کوئی نشانی بتا دیجیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس کی نشانی یہ ہے کہ جو اسے دیکھتا ہے،ڈر جاتا ہے۔''

اس پر وہ صحابی بول اٹھے:

''اے اللہ کے رسول! میں تو کسی چیز سے نہیں ڈرا۔''

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت عطا فرمائی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لا چکے تھے اور یہودی اور کچھ دوسرے بدترین لوگ اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھ کر سخت غصے میں تھے، شرارت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلاتے رہتے تھے۔ انھی میں سے ایک خالد بن نبیح تھا۔

وہ صحابی اس کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوئے، خالد پر نظر پڑی تو اسے ایسا ہی پایا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، لیکن وہ بہت باہمت تھے، پہلے تو اس سے ادھر ادھر کی دو چار باتیں کیں، پھر اچانک تلوار نکال کر اس پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا سر قلم کر دیا۔ واپس آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں نے اللہ کے اس دشمن کا کام تمام کر دیا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی، آپ نے انھیں اپنا عصا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا:

''اس عصا پر ٹیک لگایا کرو تا کہ قیامت کے دن تم مجھ سے اس عصا کے ساتھ ملو۔''

یہ صحابی جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایک خوفناک دشمن کو ختم کیا اور اس خوشی میں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا عطا کیا، حضرت عبداللہ بن انیس جُہَنی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے تھا۔

نبوت کے تیرھویں سال بیعت عقبہ کبیرہ ہوئی تھی، مدینہ طیبہ سے ۷۵ کے قریب لوگ مکہ معظّمہ آئے تھے۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ان میں شامل تھے، وہ اس بیعت سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ ان ۷۵ مسلمانوں نے اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی، اپنی جان، مال اور اولاد کے ساتھ آپ کی حفاظت کرنے کا اعلان کیا تھا، ان سب حضرات کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس بیعت کے بعد مکہ میں ہی ٹھہر گئے۔ پھر انھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس طرح یہ مہاجر بھی ہیں اور انصاری بھی۔ ان میں ایمان کا جوش اس قدر تھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو سلمہ کے گھروں میں گئے اور وہاں موجود تمام بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ بنو سلمہ کے ایک رئیس عمرو بن جموح کو اپنے بت سے بہت محبت تھی۔ یہ پرجوش نوجوان رات کے وقت اس بت کو اٹھا لائے اور غلاظت کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا۔ عمرو بن جموح جب صبح بت کی تلاش میں نکلے تو اس کو گندگی میں پڑا دیکھا۔ بہت غضب ناک ہوئے اور کہنے لگے، جس شخص نے یہ حرکت کی ہے، اگر اس کا پتا چل جائے تو میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔ پھر وہ بت کو اٹھا کر گھر لائے اور خوشبو لگا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔ لیکن یہ نوجوان پھر اس کو اٹھا کر لے آئے

اور گندگی میں پھینک دیا۔ جب بار بار یہ واقعہ پیش آیا تو عمرو بن جموح اپنے بت سے بے زار ہو گئے، سمجھ گئے، یہ کیسا معبود ہے، جسے گندگی میں پھینک دیا جائے تو گندگی میں ہی پڑا رہتا ہے، کوئی وہاں سے نہ اٹھائے تو وہیں پڑا رہے، چنانچہ یہی چیز ان کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے باہر ایک قبیلے کے ساتھ رہتے تھے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شرکت کی۔ اس کے بعد دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔

۶ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ خیبر کے ایک یہودی ابورافع بن ابی حقیق نے قبیلہ غطفان کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکا کر ایک لشکر تیار کر لیا ہے اور وہ لوگ حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کا کام تمام کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار دوسرے صحابی اس کی طرف روانہ فرمائے۔ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ پانچ مجاہدین خیبر گئے اور ابو رافع کو قتل کر کے کامیاب لوٹے۔ باقی تین صحابہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، مسعود بن سنان اور خزاعی بن الاسود رضی اللہ عنہم تھے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک ٹیڑھی لکڑی

اس زور سے ماری کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے زخم پر سے کپڑا ہٹایا اور اس پر پھونک ماری۔ میرا زخم فوراً ٹھیک ہو گیا اور پھر کبھی میرے سر میں تکلیف نہ ہوئی۔

آپ بہت عبادت گزار تھے۔ ایک بار رمضان آیا تو آپ اپنی بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں سے روزانہ مسجد میں آنا جانا ممکن نہیں تھا جب کہ وہ لیلۃ القدر میں جاگنا چاہتے تھے، اس بارے میں انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ آپ نے انھیں ۲۷ویں شب آجانے کے لیے کہا۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ اس سال شب قدر کا ۲۷ویں رات کو امکان ہے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہر سال ۲۷ویں شب کو ضرور جاگتے تھے، بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی معمول اپنایا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے ۵۴ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے وصیت کی کہ وہ عصا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عطا فرمایا تھا، ان کے ساتھ دفن کیا جائے، چنانچہ وہ فوت ہوئے تو عصا مبارک کفن کے اندر ان کے پیٹ پر رکھ دیا گیا اور انھیں اس عصا سمیت دفن کیا گیا۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

سچا عاشق

ایک غلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی۔ وہاں شرافت کے آثار نظر آئے، آپ کو اس پر ترس آیا، فوراً اسے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا:

''چاہو تو اپنے خاندان میں چلے جاؤ، میرے ساتھ رہنا پسند کرو تو تمھارا شمار میرے گھر والوں میں ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے انھیں نیک فطرت عطا کی تھی، انھوں نے اپنے خاندان میں جانا پسند نہ کیا، آپ کے ساتھ رہنا منظور کیا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں رہوں گا۔''

اس کے بعد وہ آپ کے ساتھ رہنے لگے، ایک دن نبی صلی االلہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی جگہ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی عالم نے آ کر کہا:

''السلام علیک یا محمد!''

اس یہودی پر آپ کے خادم کو بہت غصہ آیا۔ اسے اس قدر زور سے دھکا دیا کہ وہ

گرتے گرتے بچا۔ اسے حیرت بھی ہوئی، پوچھا:

''تم نے مجھے دھکا کیوں دیا؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ غلام کڑک کر بولے:

''تو نے یارسول اللہ کیوں نہ کہا، یا محمد کیوں کہا۔''

اس پر اس یہودی نے کہا:

''اس میں کیا بری بات ہوگئی، اگر میں نے ان کا خاندانی نام لے لیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت نرمی سے فرمایا:

''ہاں! میرا خاندانی نام محمد ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ تھے، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ کسی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا بھی گوارا نہیں تھا۔

آپ کے بارے میں یہ معلومات نہیں ملتیں کہ غلام کیسے بنے، ویسے آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا شروع کیا تو بس دربارِ نبوت کا ہر حکم بجالانے کی فکر میں رہتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اس بات کا عہد کرے کہ وہ کبھی لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، اور اس عہد کو پورا بھی کرے تو میں اس کے لیے جنت کی ذمے داری لیتا ہوں۔''

آپ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

"اے اللہ کے رسول! میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہیں مانگوں گا۔"

مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات سننے کے بعد کسی انسان سے کبھی بھی سوال نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اگر سواری پر سے کوڑا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا تو سواری سے اتر کر اس کو اٹھاتے تھے، کسی کو اٹھا کے دینے کے لیے نہیں کہتے تھے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کے لیے دعا فرمائی، اس وقت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ انھوں نے فوراً عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کیا میں بھی اہلِ بیت میں سے ہوں۔"

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہاں! تم بھی میرے اہل بیت میں شامل ہو، جب تک کہ تم کسی امیر کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ یا کسی کے دروازے کی چوکھٹ پر نہ جاؤ۔"

چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا موقع نہ آنے دیا۔ نہ کسی امیر کے پاس جا کر کوئی سوال کیا، نہ کسی کے دروازے پر جا کر کچھ مانگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر خدمت میں لگے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی مدینہ منورہ میں ہی رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ

عنہ کی خلافت میں ملک شام چلے گئے اور شہر رملہ میں رہائش اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی مہم پر بھیجا تو آپ بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے، وہاں کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ بہادری سے لڑے۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۵۴ھ میں وفات پائی، آپ سے ایک سو ستائیس احادیث روایت کی گئی ہیں۔ معدان بن طلحہ، ابو ہاشم خولانی، راشد بن سعد، عبدالرحمٰن بن غنم، ابو عامر الہانی اور جبیر بن نضیر رحمہم اللہ جیسے علماء آپ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

معدان بن طلحہ رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سنی، پھر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تصدیق کی کہ کیا واقعی یہ حدیث ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ لوگ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تصدیق کرایا کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ان اصحاب میں سے ہیں جنھوں نے احادیث محفوظ کیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

اجر ضائع نہیں کروں گا

چھوٹے سے ایک بچے کی حالت عجیب تھی۔ وہ اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا، بہت شوق سے آپ کی باتیں سنتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوتے تو وہ منبر کے قریب ہو جاتا۔ نہایت غور سے آپ کا وعظ سنتا۔ ان باتوں کو یاد رکھنے کی کوشش کرتا۔ وہ آپ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتا، رمضان المبارک کی راتوں میں جاگ کر عبادت کیا کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے بہت محبت تھی۔ آپ اس پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طائف سے انگوروں کا تحفہ آیا، یہ بچہ اس وقت آپ کے پاس ہی موجود تھا، آپ نے اسے انگوروں کے دو خوشے دیے اور فرمایا:

''بیٹا! ایک خوشہ تمھارا ہے، ایک تمہاری والدہ کا، گھر جا کر انھیں دے دینا۔''

یہ آخر بچے تھے، راستے میں اپنا خوشہ کھانے لگے۔ مزا آیا تو والدہ والا خوشہ بھی

کھا گئے، والدہ سے انگوروں کا ذکر تک نہ کیا، ایک دو روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"بیٹا! اپنی ماں کو انگوروں کا خوشہ دیا تھا۔"

یہ بچے ضرور تھے، لیکن رہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں، طبیعت میں سچائی موجود تھی، فوراً بولے:

"اے اللہ کے رسول! وہ دونوں خوشے میں نے خود ہی کھا لیے تھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔ اس بچے کا نام نعمان تھا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنو حارث سے تھا۔ والد کا نام بشیر بن سعد تھا۔ ۲ ہجری میں غزوہ بدر سے تین چار ماہ پہلے پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولی تو گھر میں اسلام کے جلوے دیکھے۔ ان کے والد بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شیدائی تھے۔ نبوت کے تیرہویں سال جو بڑی بیعت ہوئی، اس میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احزاب اور دوسرے تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ خلافت کے مسئلے میں انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق کی حمایت کی اور انصار میں سب سے پہلے انھوں نے ہی ان سے بیعت کی۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا، مشہور

صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔ یہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ انھیں اپنے بیٹے نعمان سے بہت محبت تھی۔ ہجرت نبوی کے بعد یہ پہلے بچے ہیں جو کسی انصاری کے گھر پیدا ہوئے۔ والد انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۸ سال ۷ ماہ تھی، اتنی کم عمر میں بھی انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات یاد تھے۔

تاریخ کی کتب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک کے دور میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اتنا ذکر آتا ہے کہ انھیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق لے گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت عزت کی۔ اپنے دور میں انھیں کئی عہدوں پر مقرر فرمایا۔ ۵۳ ہجری میں دمشق کا قاضی مقرر فرمایا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یمن کا امیر مقرر فرمایا۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کے اہم صوبے کا والی مقرر کیا، وہ اس عہدے پر مقرر تھے کہ ۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔ ان کے بعد یزید حکمران ہوا۔ اس نے ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔

انھی دنوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جگر پاش سانحہ پیش آیا۔ اس قافلے کے جو لوگ بچ گئے، یعنی خواتین اور بچے، انھیں دمشق لایا گیا، یزید نے دمشق سے انھیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں مدینہ منورہ روانہ کیا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جہاں تک ہوسکا، ان مصیبت زدہ افراد کی مدد کی، ان کے آرام کا خاص خیال رکھا، انھیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی، قافلہ جہاں قیام کرنا چاہتا تھا، یہ اس پر اعتراض نہیں کرتے تھے، پردے کے خیال سے اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک طرف ہو جاتے تھے۔ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت زینب بنت علی رحمہا اللہ اور فاطمہ بنت علی رحمہا اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے اچھے سلوک کی تعریف کی، اپنے کنگن اور بازو بند اتار کر انھیں پیش کیے اور کہا:

''ہمیں افسوس ہے! اس وقت ہمارے پاس ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جو آپ کو دے سکیں۔''

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بولے:

''اے رسول اللہ کی بیٹیو! اللہ کی قسم، میں نے جو کچھ کیا، اللہ کی رضا کے لیے کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے جو تعلق ہے، اس کی بنا پر کیا، کسی دنیاوی لالچ کی وجہ سے نہیں کیا۔ یہ زیور اپنے پاس ہی رکھیں، میں اپنا اجر ضائع نہیں کروں گا۔ اللہ کے لیے انھیں اپنے پاس رکھیے۔''

یزید کی موت کے بعد ۶۴ ہجری میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ مکہ آ گئے۔

اس وقت مکہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خود مختار حکومت تھی۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کرلی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا حاکم مقرر فرمایا۔

۶۵ ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف ایک گروہ نے آپ کو شہید کردیا۔

آپ رضی اللہ عنہ بہت نرم مزاج تھے، سخی تھے۔ بردبار تھے اور عبادت گزار تھے۔ مورخ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے، جب وہ حمص کے والی تھے، ایک مشہور شاعر اعشیٰ ہمدانی ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا، ''مجھ پر قرض ہے، قرض ادا کرنے میں میری مدد کریں۔'' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، ''اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔'' اعشیٰ یہ سن کر بہت مایوس ہوا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو اس پر ترس آ گیا، کچھ دیر سوچا، پھر لوگوں کو جمع کیا اور ان سے بولے:

''لوگو! اعشیٰ ہمدانی تمہارے پاس آئے ہیں، تمہارے چچازاد ہیں، مسلمان ہیں، اعلیٰ حسب نسب کے ہیں، زمانے کی گردش نے انھیں محتاج کردیا ہے، اب تمہاری کیا رائے ہے۔''

تمام حاضرین نے کہا:

''جو آپ فرمائیں، ہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نہیں! میں کوئی حکم نہیں دوں گا، تم خود ان کی مدد کی کوئی صورت نکالو۔"

اس طرح اعشیٰ کے پاس دس ہزار دینار جمع ہو گئے۔ اعشیٰ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی تعریف میں اشعار پڑھے۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بلند مرتبہ تھے، ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بچپن میں سنا، سب انھیں یاد تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث سنیں۔ آپ مختلف صوبوں کے والی رہے، اس دوران انھیں مقدمات کے فیصلے کرنے پڑے، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ فیصلے کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھتے تھے۔ حدیث کا حوالہ دیا کرتے تھے، کبھی کوئی حدیث بیان کرتے وقت کانوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے:

"میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے۔"

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

جنتی دیہاتی

ایک لمبے قد کا آدمی مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر فاروق، طلحہ بن عبید اللہ، انس بن مالک اور کئی دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس موجود تھے۔

اس کا رنگ گورا تھا۔ بال سیاہ تھے، وہ اپنی اونٹنی کی مہار تھامے رواں دواں مسجد میں گھس آیا۔ اس نے اونٹنی کو ایک کونے میں بٹھایا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں پوچھا:

''آپ حضرات میں سے ابن عبدالمطلب کون ہیں؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں ہوں ابن عبدالمطلب، فرمائیے۔''

اب اس نے پوچھا:

''محمد آپ ہی کا نام ہے؟''

''ہاں! میرا ہی نام ہے۔''

اب اس نے کہا:

''تب پھر سنیے! میں ایک دیہاتی آدمی ہوں، آپ سے کچھ باتیں پوچھنے آیا ہوں، آپ میری زبان کی تیزی سے ناراض تو نہیں ہوں گے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''نہیں! تمھیں جو پوچھنا ہو، بے تکلفی سے پوچھو، میں ہرگز ناراض نہیں ہوں گا۔''

اب اس نے کہا:

''اے محمد! آپ کا قاصد ہمارے قبیلے میں آیا تھا، اس نے ہمیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول مبعوث فرمایا ہے؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! اس نے سچ کہا۔''

''آسمان کس نے بنایا؟'' اس نے پوچھا۔

جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ نے۔''

''زمین کس نے بنائی؟'' اس نے دوسرا سوال کیا۔

جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ نے۔''

''ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا، اور ان میں انواع واقسام کی چیزیں کس نے بنائیں؟'' اس نے پوچھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ نے۔''

اب اس نے کہا:

''اسی اللہ کی قسم جس نے آسمان اور زمین بنائے، ان پہاڑوں کو قائم کیا، کیا واقعی اللہ نے آپ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں۔''

یہ سن کر اس نے کہا:

''آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ رات دن میں ہمارے لیے پانچ نمازیں پڑھنا فرض ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اس نے سچ کہا۔''

''کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم دیا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔ جواب میں آپ نے فرمایا:

''ہاں۔''

''آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی کہا کہ سال میں ایک بار اپنے مال کی زکوٰۃ دینی

چاہیے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس نے یہ بھی سچ کہا۔''

''اور کیا اس کا بھی آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے؟''

''ہاں!''

وہ پھر بولا:

''آپ کے قاصد نے ہمیں ہر سال رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح انھوں نے حکم دیا ہے کہ جس میں طاقت ہو، اس پر زندگی میں ایک بار بیت اللہ کا حج فرض ہے، کیا آپ نے ان سے کہلوایا ہے اور کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''یہی بات ہے۔''

اب اس نے درخواست کی کہ اسے کلمہ پڑھایا جائے، چنانچہ اس نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر بولا:

''اے اللہ کے رسول! میری قوم نے مجھے اپنا قاصد بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ میں بنوسعید بن بکر کا بھائی ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، جن باتوں کا آپ نے حکم دیا، میں ان میں نہ کمی

کروں گا، نہ اضافہ۔''

یہ کہہ کر انھوں نے نہایت ادب سے سلام کیا اور چل دیے۔ اس موقعے پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں جائے گا۔''

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بہت خوب صورت تھے۔ اپنے قبیلے کے عقل مند آدمیوں میں شمار ہوتے تھے، بنوسعد کے رئیسوں میں سے تھے۔ تھے بھی نیک فطرت، جس زمانے میں سارا عرب طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھا، یہ اس وقت بھی ان برائیوں سے بچتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے دین کی اشاعت کے لیے اپنے صحابہ کو روانہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مبلغ بنوسعد میں بھی بھیجے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ قبیلے کے لوگوں نے اس سلسلے میں براہِ راست بات کرنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر انھوں نے یہ سوالات کیے۔

ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ آپ کے سوالات سن کر یا کسی اور موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''ضمام عقل مند آدمی ہیں۔''

آپ غور فرمائیں، جس شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں

کہ عقل مند آدمی ہیں، ان کی دانائی میں کون شک کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''میں نے ضمام سے بہتر اور اچھے انداز میں گفتگو کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر اپنے قبیلے میں پہنچے تو سب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، پوچھنے لگے:

''کہیے! مدینہ میں کیا دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا بات چیت ہوئی۔''

فوری طور پر ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے:

''لات و عزیٰ ذلیل وخوار ہوں، ان کا برا ہو۔''

اپنے بتوں کے بارے میں یہ الفاظ سن کر بنو سعد کانپ گئے، کیونکہ ایسے الفاظ منہ سے نکالنا ان کے نزدیک تباہی اور بربادی کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ وہ چلا اٹھے:

''ضمام! اپنی زبان کو روکو، لات اور عزّٰی کی توہین کہیں تمھیں جذام، برص یا دماغی خلل میں نہ مبتلا کردے۔ فوراً توبہ کرو، ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ ہم بھی تباہ ہوں گے۔''

ضمام رضی اللہ عنہ تو کلمہ پڑھ چکے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر آئے تھے، ان پر توحید کا نشہ سوار ہو چکا تھا۔ فوراً بولے:

''اے میری قوم! کان کھول کر سن لو! لات اور عزّٰی صرف پتھر ہیں۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، افسوس ہے تم پر! ان پتھروں کو معبود بنا لیا۔ عبادت کے لائق صرف ایک اللہ کی ذات ہے، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سچا رسول بنا کر بھیجا، ان

پر اپنی کتاب نازل کی۔ وہ کتاب ہدایت اور بھلائی کا سرچشمہ ہے، اس کتاب پر عمل کر کے تم ظلمت اور گمراہی کی اس دلدل سے نکل آؤ گے جس میں تم گلے گلے تک دھنسے ہوئے ہو، میں نے سچائی جان لی، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میرا کہنا مانو، فوراً اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، ورنہ تباہ اور برباد ہو جاؤ گے، میں نے اللہ کے رسول سے وہ تمام باتیں پوچھ لی ہیں جن پر تمھیں عمل کرنا ہے اور وہ باتیں بھی معلوم کر لی ہیں جن سے تمھیں بچنا ہے۔''

حضرت ضمام رضی اللہ عنہ کی تقریر ایسی پر اثر تھی کہ ان کے دل نرم ہو گئے۔ شرک کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوگئی۔ شام ہوتے ہوتے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ بچا جو ایمان نہ لایا ہو۔

تاریخ کی کتب میں حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے حالات اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''میں نے کسی قوم میں ضمام سے بہتر کوئی شخص نہیں پایا۔''

اللہ کی ان پر رحمتیں نازل ہوں۔

☆☆☆

عظمت ملی جنھیں

''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی خدمت میں بارہ سال کے ایک بچے کو لائے ہیں۔ یہ بچہ بنونجار قبیلے کا ہے۔ اسے قرآن کریم کی تلاوت کا اس قدر شوق ہے کہ اس عمر میں اب تک سترہ سورتیں حفظ کر چکا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر خوش گوار حیرت ہوئی۔ آپ نے اس بچے سے ارشاد فرمایا:

''مجھے بھی سناؤ۔''

اس بچے نے فوراً سترہ سورتیں پڑھ دیں۔ آپ نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ انھیں دعا دی۔ قرآن سے اس حد تک لگاؤ رکھنے والے یہ صحابی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مدینہ منورہ تشریف نہیں لائے تھے۔ آپ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے مدینہ روانہ فرمادیا تھا۔ ان کی

کوششوں سے جو لوگ ایمان لائے، ان میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ اس وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ ایمان لاتے ہی وہ قرآن کی تعلیم میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے سترہ سورتیں حفظ کرلیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنا زیادہ تر وقت آپ کی خدمت میں گزارنے لگے۔ عربی لکھ پڑھ لیتے تھے، اس سے بہت جلد عالم فاضل لوگوں میں شمار ہونے لگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر انھوں نے عبرانی اور سریانی زبانیں بھی سیکھیں اور بہت کم وقت میں ان زبانوں کے لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کرلی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف پندرہ یا سترہ دنوں میں یہ زبانیں سیکھ لیں۔ بعد میں تورات اور انجیل کے عالم بھی بن گئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ حبشی، قبطی، رومی اور فارسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ ان زبانوں کو انھوں نے مدینہ منورہ کے کچھ زبان دان لوگوں سے سیکھا تھا۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بہت خوش خط تھے۔ اسی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کتابت کا عہدہ عطا فرمایا تھا۔ وہ وحی بھی کتابت کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔

انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اس قدر حاصل تھا کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفقت سے ان کی ران

پر اپنا زانوئے مبارک رکھ دیتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت وحی کے بوجھ سے آپ کا زانوئے مبارک مجھے اس قدر بھاری معلوم ہوا کہ مجھے لگا، میری ران چور چور ہو جائے گی۔ لیکن ادب کی وجہ سے اُف تک نہ کی اور ساکت بیٹھا رہا۔

وحی کی کتابت چند اور صحابہ بھی کرتے تھے۔ خطوط چند اور صحابہ بھی لکھتے تھے، لیکن ان سب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام سرِ فہرست ہے۔ انھوں نے یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک مسلسل کیا۔ اس زمانہ میں کاغذ نایاب تھا۔ وہ قلم دوات، چوڑی ہڈیاں اور پتلے پتھر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ جاتے تھے۔ وحی نازل ہوتی تو آپ کی زبانِ مبارک سے جو کچھ سنتے، لکھتے جاتے۔ وہ جو کچھ لکھتے جاتے، وہ ان کے دل پر بھی ساتھ ساتھ نقش ہوتا جاتا تھا۔ اس طرح انھوں نے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی مختلف چیزوں پر لکھے قرآن کے تمام اجزا کو جمع کر لیا تھا۔

۲ ہجری میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ تیرہ سال کے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی میں شرکت کی عمر کم از کم پندرہ سال مقرر فرمائی تھی، حضرت زید رضی اللہ عنہ لڑائی میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے، لیکن

اجازت نہ ملی۔

غزوۂ احد میں حضرت زید شریک ہوئے یا نہیں، اس میں مورخین کا اختلاف ہے، البتہ آپ نے غزوۂ خندق میں حصہ لیا۔ خندق کی کھدائی میں بھی شریک رہے۔ انھیں خندق سے مٹی نکالتے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا اچھا لڑکا ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے غزوۂ تبوک میں بھی شرکت کی۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جھنڈا عطا فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خلافت کے مسئلے پر مہاجرین و انصار جمع ہوئے۔ اس موقع پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے۔ اس لیے خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہونا چاہیے، ہم جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے، اسی طرح منتخب ہونے والے خلیفہ کے بھی انصار رہیں گے۔ (یعنی مددگار رہیں گے)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس جرأت مندانہ تقریر پر انھیں مبارک باد دی۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چند دوسرے انصار کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلے بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بخوشی بیعت کر لی۔

ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران آپ کتابت کے عہدے پر بحال رہے۔ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی مجلسِ شوریٰ کا رکن مقرر فرمایا۔ مرتدوں نے فتنہ بپا کیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹایا۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف خونی معرکہ ہوا۔ اس جنگ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ نے شرکت کی۔ انھیں ایک تیر لگا، لیکن ان کی جان بچ گئی۔ اس لڑائی میں بہت سے حافظِ قرآن شہید ہوئے۔ اس لیے خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآنِ پاک کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قرآن جمع کریں۔ اس عظیم کام میں ان کی مدد کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۷۵ صحابہ کرام کی جماعت مقرر فرمائی۔ اگرچہ قرآن کے تمام اجزاء پہلے ہی جمع کیا جا چکے تھے لیکن اس موقعے پر جو اجزاء بھی لوگوں کے پاس موجود تھے، ان سب کو بھی ایک جگہ جمع کیا گیا اور پورے قرآن کو یکجا کر کے ایک جگہ محفوظ کر لیا گیا۔ قرآن کا یہ نسخہ پہلے ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس کی مزید نقلیں تیار کروائیں۔ جن بڑے لوگوں نے نقل کرنے کا کام کیا، ان میں حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے حضرت زید بن ثابت رضی

اللہ عنہ کا کتابت کا عہدہ برقرار رکھا، مجلسِ شوریٰ کی ان کی رکنیت بھی بحال رکھی۔ بعد میں انھیں مدینہ منورہ کا قاضی بھی مقرر فرمایا، ان کی تنخواہ مقرر فرمائی۔ اس وقت تک کتابت کا کام بہت بڑھ چکا تھا، اس لیے ان کی مدد کے لیے حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ شروع میں قاضی کے لیے کوئی الگ عمارت نہیں تھی، اس لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ قاضی کے فرائض اپنے گھر میں انجام دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت زید بن ثابت پر بہت اعتماد تھا۔ وہ حج کے لیے مکہ معظّمہ گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا۔ انھیں شام کے سفر پر جانا پڑا، تب بھی حضرت زید کو ہی قائم مقام بنا کر گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مرتبہ برقرار رکھا۔ ۳۱ ہجری میں انھیں بیت المال کا افسر مقرر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج کے لیے گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب شرپسندوں نے بغاوت کی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس فساد کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن افسوس ان کی کوششیں ناکام گئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کا اسی طرح اکرام کرتے رہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۴۵ ہجری

یا ۴۶ ہجری میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ وفات کی خبر پھیلی تو لوگ غم سے نڈھال ہو گئے۔ اس وقت حضرت حسان بن ثابت شاعرِ رسول زندہ تھے۔ انھوں نے آپ کی وفات پر اشعار پڑھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا:

''آج امت کا عالم اٹھ گیا۔''

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ دفن کے وقت موجود تھے، بولے:

''دیکھو! علم اس طرح جاتا ہے، آج علم کا بڑا حصہ دفن ہو گیا۔''

انھوں نے اپنے پیچھے گیارہ بیٹے چھوڑے۔ سب نے علم و فضل کے اعتبار سے نام پیدا کیا۔ آپ کے پوتوں نے بھی دنیا میں نام پایا۔ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام جمیلہ تھا، وہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں۔ یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''میری امت میں سب سے بڑھ کر فرائض یعنی میراث کا علم جاننے والے زید بن ثابت ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''جسے فرائض کے بارے میں کوئی سوال کرنا ہو، وہ زید بن ثابت کے پاس جائے۔''

نامور تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو دیکھتے تھے۔ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرائض کے تمام مسائل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے ہیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ''زید رضی اللہ عنہ فرائض کی طرح قرآن میں بھی اونچا مقام رکھتے ہیں۔''

فقہ میں بھی ان کا بہت اونچا مقام ہے۔ عہدِ رسالت میں بھی فتوے دیا کرتے تھے۔ بعد میں بھی مفتی کے عہدے پر رہے۔ ان کے فتاویٰ جات کی تعداد اس قدر ہے کہ ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ریاضی کے بھی ماہر تھے۔ ایک روز گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چونک کر کہا، یہ آپ کیا کرتے ہیں، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''علما اور دین کے اکابر کی یہی شان ہے کہ ان کی رکاب تھامی جائے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کچھ ان سے سنتے تھے، اس کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ ان کی طبیعت میں عاجزی بہت تھی۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ سوالات کے جوابات بہت سکون اور اطمینان سے دیتے تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

واپس نہ لانا

صبح کے وقت ان کی آنکھ کھلی تو ان کا لکڑی کا بت اپنی جگہ پر موجود نہیں تھا۔ وہ بہت حیران ہوئے کہ بت کہاں چلا گیا۔

اس بت کو انھوں نے بنایا بھی خود تھا۔ بتوں کی پوجا کے بہت شوقین تھے۔ صبح شام بہت باقاعدگی سے اس کی پوجا کرتے تھے، بت کو خوب بنا سنوار کر رکھتے تھے۔ ان حالات میں اسلام کا سورج طلوع ہوا۔ لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے لگے، لیکن یہ اپنی بت پرستی میں ڈوبے رہے۔

ان کے بیٹے کا نام معاذ تھا۔ وہ خوش قسمتی سے اسلام کی تعلیم سے فوراً ہی متاثر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اپنے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ بت پرستی سے باز نہ آئے۔ آخر انھوں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک دلچسپ ترکیب سوچی، رات کے وقت بت کو اٹھا کر باہر لے آئے اور گندگی کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا۔

انھوں نے بت کو پہلے تو گھر میں تلاش کیا، پھر گھر سے باہر نکل کر تلاش کرنے لگے، تلاش کرتے کرتے وہ گندگی کے ڈھیر پر پہنچ گئے۔ وہاں انھیں اپنا بت گندگی میں لتھڑا نظر آیا۔ بہت غصے ہوئے، چیخے چلائے۔ بت کو اٹھا کر گھر لائے، اس کو صاف کیا، خوشبو لگائی اور اس کی جگہ رکھ دیا۔

دوسرے دن اٹھے تو بت پھر غائب تھا۔ اب تو بہت سٹ پٹائے، باہر جا کر دیکھا، بت پھر گندگی میں پڑا تھا۔ جب روز ایسا ہونے لگا تو تنگ آ کر بت کی گردن میں تلوار لٹکا دی اور بولے:

''مجھے تو معلوم نہیں، تیرے ساتھ یہ گستاخی کون کرتا ہے۔ اب یہ تلوار تیرے پاس ہے، اپنا بچاؤ اس کے ذریعے خود کرنا۔''

لڑکوں نے بت کی گردن میں تلوار لٹکی دیکھی تو بہت ہنسے، اس بار انھوں نے بت کو ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ رسی سے باندھا اور بنو سلمہ کے ایک کنوئیں میں لٹکا دیا۔ اس میں وہ لوگ نجاست پھینکتے تھے۔

صبح انھوں نے پھر بت کو غائب پایا، تلوار بھی غائب تھی، جب انھیں اپنا بت مردہ کتے کے ساتھ لٹکا نظر آیا تو گویا عقل آ گئی، بت سے بیزار ہو گئے، جان گئے، یہ تو اس قدر بے بس ہے کہ مردہ کتے کے ساتھ لٹکا ہوا ہے، بس اسی وقت بت پرستی سے نفرت محسوس کی۔ ایسے میں ایک مسلمان کا کنوئیں کے پاس سے گزر ہوا۔ انھیں پریشان دیکھ کر اس نے پوچھ لیا:

''کیا ہوا عمرو!''

انھوں نے ساری بات بتادی۔ وہ سن کر بولے:

''تو لعنت بھیجو اس بت پر! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔''

اس مسلمان کے جملے نے گرم لوہے پر چوٹ کا کام کیا، اسی وقت اسلام لے آئے۔

O

یہ حضرت عمرو بن جموح سلمی رضی اللہ عنہ تھے۔ خزرج کی شاخ بنو سلمہ کے رئیس تھے۔ اپنے خاندان کے بت خانے کے متولی بھی رہے تھے۔ ہدایت پانے پر انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

۲ ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنے فرزندوں کے ساتھ اس میں شریک ہوئے اور بہت بہادری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ابو جہل کو جن دو بچوں نے قتل کیا، ان میں سے ایک کا نام معاذ تھا۔ یہ عمرو ہی کے بیٹے تھے۔ بعض روایات یہ کہتی ہیں کہ یہ خود غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں میں لنگڑاہٹ تھی اور تھے بھی بوڑھے۔

۳ ہجری میں احد کے موقعے پر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ پیچھے نہ رہ سکے۔ جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے چار بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! ہم چاروں بھائی لڑائی میں شریک ہورہے ہیں، ہمارے والد بوڑھے ہیں، پھران کی ایک ٹانگ میں لنگڑاپن ہے، لیکن وہ لڑائی میں شرکت پر تلے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں آپ کیاارشادفرماتے ہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''تم نے انھیں سمجھایا ہوتا۔''

اس پر وہ بولے:

''اے اللہ کے رسول! ہم نے انھیں بہت سمجھایا، لیکن وہ نہیں مانتے۔''

آپ نے ارشادفرمایا:

''اچھاتو پھرانھیں ذرامیرے پاس لے آؤ۔''

چاروں گھر گئے اور اپنے والد حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے آئے۔

وہ لنگڑاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آپ نے فرمایا''عمرو! میں نے سنا ہے، تم بھی ہمارے ساتھ لڑائی میں جانا چاہتے ہو، تمھارا جذبہ اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے، لیکن تمہاری عمر لڑائی کی نہیں، اور پھر تم ایک ٹانگ سے معذور بھی ہو، اس لیے تم جہاد پر نہیں جاسکتے، امید ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں تمہاری نیت کے مطابق جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا۔''

آپ کا یہ ارشادسن کروہ فوراً بولے:

''اے اللہ کے رسول! یہ لڑکے بھی مجھے جہاد میں جانے سے روک رہے ہیں، لیکن اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ اگر میں لڑائی میں مارا گیا تو اس پاؤں کو گھسیٹتا ہوا جنت میں جاؤں گا، اللہ کے لیے مجھے ساتھ جانے کی اجازت عطا کر دیجیے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبے سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے بیٹوں سے فرمایا:

''اب انھیں نہ روکو، شاید ان کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہے۔''

آپ کی طرف سے اجازت ملنے پر یہ خوشی خوشی گھر لوٹے۔ ہتھیار سنبھالے اور میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔

احد کی اس لڑائی میں جب مسلمانوں کی ایک غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹا اور مسلمان ادھر ادھر بکھر گئے تو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے خلاد کو ساتھ لیے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ دونوں ثابت قدمی سے لڑے اور لڑتے لڑتے آخر کار شہید ہو گئے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے غلام سلیم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بھی ان کے ساتھ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

مشرکین کے پسپا ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے میدان کا چکر لگایا۔ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی خاک اور خون میں لتھڑی ہوئی لاش کو دیکھ کر فرمایا:

''اللہ کے بندے جب اللہ کی قسم کھاتے ہیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے۔ عمرو بھی ایسے ہی بندوں میں شمار ہیں۔ میں انھیں جنت میں لنگڑے پاؤں سے چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔''

اس لڑائی میں حضرت عمرو کے برادر نسبتی (یعنی ان کی اہلیہ ہند کے بھائی) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی شہادت پائی تھی۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر بیٹے اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو پوچھا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔''

لوگوں نے جواب دیا:

''ہاں! اللہ کے رسول خیریت سے ہیں۔''

یہ سن کر سیدہ ہند رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ سلامت ہیں تو تمام مصیبتیں آسان ہیں۔''

ہند رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ اونٹ لے کر آئی تھیں۔ اس پر اپنے شوہر، بھائی اور فرزند کی لاشیں لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میدانِ احد کی طرف آتی نظر آئیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کی تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

''اونٹ پر لادے ہوئے یہ لاشے میرے شوہر، بھائی اور فرزند کے ہیں، انھوں

نے اس لڑائی میں شہادت پائی ہے۔''

اسی وقت اونٹ بیٹھ گیا۔ انھوں نے بہت مشکل سے اٹھایا، لیکن اونٹ نے مدینہ کی طرف ایک قدم نہ اٹھایا۔ ام المومنین بولیں:

''شاید وزن زیادہ ہے۔''

حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''جی نہیں! اس پر تو اس سے زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔''

انھوں نے اونٹ کا رخ احد کے میدان کی طرف کیا تو وہ فوراً چل پڑا۔ ہند رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انھیں اونٹ کے بارے میں بتایا۔ آپ نے پوچھا:

''کیا انھوں نے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔''

اس پر ہند رضی اللہ عنہا نے بتایا:

''جی ہاں! انھوں نے چلتے وقت دعا کی تھی: یا اللہ! مجھے شہادت نصیب فرمانا، مجھے میرے اہل وعیال میں واپس نہ لانا۔''

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انصار میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیں، عمرو بن جموح ایسے ہی تھے۔''

اس کے بعد ان تینوں کو احد کے شہیدوں کے درمیان دفن کر دیا گیا۔ آپ نے اور

تمام صحابہ نے ان کے لیے دعا کی۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اگرچہ آخری عمر میں مسلمان ہوئے تھے اور مسلمان کی حیثیت سے صرف تین سال زندہ رہے، اس کے باوجود وہ بڑے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بہت سادہ مزاج اور سخی تھے۔ ایک مرتبہ بنوسلمہ کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا:

''تمھارا سردار کون ہے؟''

انھوں نے بتایا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارا سردار جد بن قیس ہے، اور وہ ایک بخیل آدمی ہے۔''

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''بخیلی سے بدتر تو کوئی بات نہیں، آج سے تمہارے سردار عمرو بن جموح ہیں۔''

اسی روز وہ بنوسلمہ کے رئیس بن گئے، لوگ انھیں سید الانصار کہنے لگے۔ بنوسلمہ کو ان کے سردار بننے پر بہت خوشی ہوئی۔

اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

انوکھا میزبان

ایک مسافر شہر میں داخل ہوا۔اس کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔اس نے کسی سے راستہ پوچھا اور مسجد نبوی میں پہنچ گیا۔وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔یہ آگے بڑھا، سلام کیا اور عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! مسافر ہوں، دور سے آیا ہوں، مدینہ میں میرا کوئی واقف نہیں، یعنی میرے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں، میری مدد فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ازواجِ مطہرات سے معلوم کرایا کہ گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے۔سب بیویوں کی طرف سے جواب ملا:

''آج فاقہ ہے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''کوئی ہے جو اللہ کے اس بندے کو مہمان بنائے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے۔ ان کا چہرہ بہت نورانی تھا۔ بارونق تھا، انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مہمان کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر وہ فوراً گھر گئے۔ بیوی کو مہمان کی آمد کی اطلاع دی اور پوچھا:

''گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟''

بیوی نے جواب میں بتایا:

''بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے۔ اس کے سوا گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔''

ان صاحب نے کہا:

''کوئی بات نہیں! بچوں کو بہلا کر سلا دو، جب وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے، تم چراغ درست کرنے کے بہانے اس کو بجھا دینا، اندھیرے میں مہمان کھانا کھاتا رہے گا، ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر یونہی منہ چلاتے رہیں گے، اس طرح مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ غرض انھوں نے اسی طرح کیا۔ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا، کھانا مہمان کے سامنے رکھا اور چراغ بجھا دیا۔ اس طرح صرف مہمان نے کھانا کھایا، وہ دونوں بھی بھوکے رہے۔ مہمان کھانا کھا کر سو گیا۔

صبح ہوئی، یہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

رات تم نے اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا، اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے: یعنی ''وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ ان پر تنگی (فاقہ) بھی ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر صحابی رضی اللہ عنہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ جس کی تعریف خود باری تعالیٰ کر دے، اس کی خوش قسمتی میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ ایک روز یہی صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ''ہرگز ثواب نہیں ملے گا، جب تک کہ اپنی عزیز ترین دولت اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔''

اس وقت یہ صحابی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک وسیع اور زرخیز باغ کے مالک تھے۔ باغ تھا بھی بہت پُر فضا۔ اس میں ایک کنواں بھی تھا۔ اس کا نام بیئرِ حاء تھا۔ کنویں کا پانی بہت صاف اور شیریں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں کا پانی بہت شوق سے پیا کرتے تھے۔ مدینہ میں اس قسم کی جائیداد بہت بڑی نعمت تھی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر یہ صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میری محبوب ترین چیز یہ باغ ہے، میں اس باغ کو اللہ کے راستے میں دیتا ہوں اور اگر یہ بات چھپ سکتی تو میں اس بات کو ظاہر نہ کرتا، یعنی چھپا کر اللہ کی راہ میں دیتا۔''

ان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔انھیں دعا دی اور فرمایا:

"تو پھر اس کو اپنے رشتے داروں میں تقسیم کردو۔"

انھوں نے فوراً وہ باغ اپنے رشتے داروں میں تقسیم کردیا۔

یہ صحابی رضی اللہ عنہ جن کے یہ دو واقعات آپ نے پڑھے، حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کے ایک خاندان سے تھا۔اس خاندان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے سب گھرانوں سے بہتر قرار دیا تھا۔اس خاندان کا نام بنونجّار تھا۔

اسلام لانے سے پہلے یہ بت پرست تھے۔لکڑی کا ایک بت انھوں نے اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔اس کی عبادت کرتے تھے،خوب کھانے پینے کے شوقین تھے اور اس قسم کی محفلوں میں شریک رہتے تھے۔اس زمانے میں انھوں نے بنونجّار کی ایک بیوہ خاتون اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا۔اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا اس وقت تک مسلمان ہو چکی تھیں۔ اسلام کی روشنی مدینہ میں تیزی سے پھیل رہی تھی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم کے لیے مدینہ بھیجا ہوا تھا۔ان کی کوششوں سے دین تیزی سے پھیل رہا تھا۔

اِمِ سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں اس وقت ایک بچہ پہلے خاوند سے تھا۔ بچہ کا نام

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک تھا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا بچے کی پرورش کر رہی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ شعور کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس لیے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، لیکن انھوں نے ابوطلحہ زید کو یہ جواب بھیجا۔

''میں تو اللہ کے سچے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکی ہوں۔ تم پر افسوس ہے کہ لکڑی کے بتوں کو پوجتے ہو جو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں ایک اللہ کی عبادت کرتی ہوں اور تم بتوں کے پجاری، میرا تم سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔''

ام سلیم رضی اللہ عنہا کی باتیں ابوطلحہ کے دل میں اتر گئیں۔ کچھ دن غور کرتے رہے۔ پھر ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر اسلام قبول کیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان کے اسلام قبول کرنے سے اتنی خوشی ہوئی کہ فوراً کہہ اٹھیں:

''اب میں تم سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں، دنیاوی مہر معاف کرتی ہوں اور اپنا مہر تمھارا اسلام مقرر کرتی ہوں۔''

اس کے بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بیٹے سے فرمایا:

''اب تم ان سے میرا نکاح کر دو۔''

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کا نکاح حضرت ابوطلحہ زید رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا، وہ فرمایا کرتے تھے:

''میری والدہ کا نکاح ابوطلحہ سے عجیب مہر پر ہوا۔''

نبوت کے تیرہویں سال حضرت ابوطلحہ مکّے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اور دوسرے انصاری حضرات نے اس موقعے پر اعلان کیا:

''ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔''

اسلام کی تاریخ میں اس بیعت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرایا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ ۲ھ کو بدر کے موقعے پر ابوطلحہ ۳۱۳ صحابہ میں شامل تھے۔ یعنی یہ بدری صحابی بھی ہیں۔ احد کی لڑائی میں جب جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ڈھال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ نہایت جوش سے تیر پر تیر بھی چلا رہے تھے۔ اس دن ان کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹیں۔ اس دوران جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اوپر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! گردن نہ اٹھائیے، کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینے کے سامنے ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے کرتے ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبے کو دیکھ کر فرمایا:

''ابوطلحہ کی آواز سوآدمیوں سے بہتر ہے۔''

احد کے بعد بھی آپ رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں شریک رہے۔غزوہ خیبر کے موقعے پر ان کا اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے برابر چل رہا تھا۔خیبر کی فتح کے بعد واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ ٹھوکر کھا کر گرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا زمین پر آرہے۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اونٹ پر سے چھلانگ لگائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جاکر بولے:

''یارسول اللہ! چوٹ تو نہیں آئی۔''

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! مگر عورت کی خبرلو۔''

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے ان کا کجاوہ درست کیا اور انھیں اونٹ پر بٹھایا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔غزوہ حنین میں انھوں نے بے مثال شجاعت دکھائی۔لوگ ان کی بہادری کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔انھوں نے اس روز بیس کے قریب مشرکوں کو جہنم رسید کیا۔۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بال اتروائے تو سر کے بائیں طرف کے تمام بال حضرت ابوطلحہ رضی

اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ نعمت ملنے پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بے پناہ خوشی ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ پر بھی دوسرے صحابہ کی طرح غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آپ رضی اللہ عنہ نے کھودی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ شام چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ رضی اللہ عنہ جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔ ستر سال کی عمر میں ایک دن قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ سورۂ براۃ کی اس آیت پر پہنچے:

"ہلکے اور بوجھل نکل کھڑے ہو اور اپنے جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔"

تو فوراً پھر جہاد کے لیے تیار ہوئے۔ گھر والوں سے کہا۔ سفر کا سامان تیار کر دو۔ انھوں نے بہت کہا کہ آپ اس عمر میں جہاد کے لیے جائیں گے، آپ کی جگہ ہم چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہ مانے اور روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں ایک سمندری مہم ہو رہی تھی۔ اس میں شامل ہو گئے اور اس سفر کے دوران ہی انتقال کر گئے۔ جہاز سات دن بعد ایک جزیرے کے کنارے پہنچا، اس وقت تک آپ کی نعش بالکل درست حالت میں جہاز پر رہی، ذرّہ برابر اس میں تبدیلی نہ ہوئی۔ لوگوں نے آپ کو اسی جزیرے میں دفن کیا۔ ۵۱ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت محبت تھی۔ ان کے ایک بیٹے ابوعمیر تھے۔

ابوعمیر رضی اللہ عنہ نے ایک پرندہ پالا ہوا تھا، وہ مر گیا، انھیں بہت رنج ہوا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

''اے ابوعمیر! تمہاری چڑیا کو کیا ہوا۔''

ابوعمیر ہنس پڑے، رنج کا اثر دور ہو گیا۔ اس وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ ضرب المثل بن گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے یہ فرزند بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ رات کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انھیں کھانا کھلایا۔ بیٹے کے فوت ہونے کو چھپا کے رکھا اور بولیں:

''اگر تمہیں کوئی چیز ادھار دی جائے اور پھر واپس مانگی جائے تو کیا تم اس کو دینے سے انکار کرو گے۔''

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

''ہرگز نہیں! ایسا کرنا تو انصاف نہیں۔''

اس پر ام سلیم رضی اللہ عنہا بولیں۔

''تب پھر تمہیں اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے، اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔''

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ صبح اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رات کا واقعہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سن کر فرمایا:

”اللہ تمہیں اس بیٹے کا بدل عطا فرمائے گا۔“

چنانچہ اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ایک دن اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک چڑیا ان کے سر پر منڈلانے لگی، آپ رکعتوں کی تعداد بھول گئے... فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، واقعہ سنایا اور بولے: ”میں اپنا یہ باغ اللہ کے راستے میں دیتا ہوں، اس باغ کی وجہ سے میری نماز میں خلل پڑا ہے۔“

اللہ ان سے راضی ہو۔ آمین۔

☆☆☆

انگاروں پر کمر

مکہ معظّمہ میں کچھ غلام فروخت کرنے کے لیے لائے گئے۔ ان میں سے ایک کو امّ انمار بنت سباع خزاعیہ نے خرید لیا۔ اس غلام کا نام خباب تھا۔ یہ لوہے کا کام جانتے تھے، چنانچہ تلواریں بنا کر فروخت کرنے لگے، آقا سے جو اجرت طے ہوئی، وہ اسے دے دیتے۔

اسی زمانے میں توحید کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک صرف پانچ نیک افراد نے ایمان قبول کیا تھا۔ وہ پانچ یہ ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔

مکہ کی فضا اس وقت بہت خراب تھی۔ مشرکین اسلام کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے تھے، سچ یہی ہے کہ اس وقت اسلام قبول کرنا ہولناک مصیبتوں کو دعوت دینے کے برابر تھا، بڑے سے بڑا آدمی قریش کے ظلم سے خود کو بچا نہیں پاتا تھا، خباب تو پھر

غلام تھے۔ بے یار و مددگار تھے، غریب الوطن تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں نہایت پاکیزہ فطرت اور شیر جیسا دل عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے ہولناک مصیبتوں کے پہاڑوں کی کوئی پروا نہ کی اور اسلام قبول کرلیا۔ اس طرح سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہوئے۔ انھیں چھٹا مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ مشکلات اگرچہ منہ کھولے سامنے کھڑی تھیں اور اس وقت مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے اسلام کو چھپائے رکھیں، لیکن انھوں نے ایک دن بھی چھپا کر نہ رکھا، اسی دن اعلان کر دیا:

''میں مسلمان ہو گیا ہوں۔''

اعلان کرنے کی دیر تھی کہ ظلم کا بازار گرم ہو گیا۔ ان کے کپڑے اتروائے گئے۔ دہکتے انگاروں پر لٹایا گیا، سینے پر بھاری پتھر رکھا گیا۔ کبھی پتھر کی بجائے بڑے ڈیل ڈول والے مشرک کو ان کے سینے پر بٹھا دیا جاتا تاکہ کروٹ نہ لے سکیں، کمر انگاروں پر ہی ٹکی رہے۔

صبر اور شکر کا یہ پیکر اپنی کمر پر انگاروں کو برداشت کرتا رہا۔ ان کے زخموں سے نکلنے والا خون ان انگاروں کو بجھاتا۔ ان تمام مظالم کے باوجود ان کے قدم نہ ڈگمگائے، کفر کی تمام طاقت بے کار ہو کر رہ گئی، وہ ان سے اسلام کو نہ چھڑا سکی۔

ایک دن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خانۂ کعبہ کی دیوار کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ نزدیک پہنچ کر انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے ان تکالیف کے خاتمہ کی دعا کیوں نہیں کرتے۔''

یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے۔ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، فرمایا:

''تم سے پہلے زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا، سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا، ایسی سختیوں کے باوجود انھوں نے دین کو نہ چھوڑا۔ ان کے سروں پر آرے چلا دیے گئے۔ چیر کر دو ٹکڑے کر دیے گئے، لیکن انھوں نے دین کو پھر بھی نہ چھوڑا۔

اللہ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھ لو گے، اکیلا سوار یمن سے صنعا تک جائے گا اور سوائے اللہ پاک کے کسی سے نہیں ڈرے گا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر وہ اپنی ساری تکالیف بھول گئے۔ ان میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔

ان کا نام ابو عبداللہ خباب بن ارت تھا۔ قبیلہ بنوتمیم سے تھے۔ نہ جانے کس طرح غلام بنا لیے گئے اور مکہ میں لا کر فروخت کر دیے گئے۔ ام انمار بہت سخت دل عورت تھی۔ اس نے انھیں خرید لیا اور جب یہ ایمان لائے تو ان پر ظلم توڑنے میں اس عورت نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان الفاظ میں درخواست کی:

''اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں، اللہ مجھے اس عذاب سے نجات دے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس دعا کے بعد ام انمار کے سر میں شدید درد رہنے لگا۔ یہ درد کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگتی۔ کسی نے اسے بتایا کہ جب تک لوہے سے تمہارے سر کو داغا نہیں جاتا، اس وقت تک درد ختم نہیں ہوگا۔

اس نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تم میرے سر کو لوہے سے داغ دو۔''

اللہ کی قدرت! جس لوہے سے وہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو داغا کرتی تھی، اسی گرم لوہے سے اپنے سر کو داغنے پر مجبوری ہوگئی، اس نے یہ کام لیا بھی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے، لیکن اسے اس علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور تڑپ تڑپ کر مرگئی۔

مشرک اب بھی انھیں ستانے سے باز نہ آئے۔ عاص بن وائل کو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا کچھ قرض دینا تھا۔ جب یہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرتے تو وہ کہتا:

''پہلے محمد کا دین ترک کرو، پھر تمہاری رقم دوں گا۔''

اس کا جواب حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ یہ دیتے:

''جب تک تم دوبارہ زندہ ہوکر دنیا میں نہیں آؤ گے، میں محمد کا دامن نہیں چھوڑوں

گا۔‘‘

عاص جواب دیتا:

’’تو پھر انتظار کرو، جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو تمھارا قرض چکا دوں گا۔‘‘

اس طرح مظلوم خباب سالہا سال تک ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ آخر مدینہ منورہ کی ہجرت کا وقت آ پہنچا... پھر غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ نہایت دلیری سے لڑے، خلفائے راشدین کے عہد میں جب فتوحات کے دروازے مسلمانوں پر کھلے، تو یہ اکثر رویا کرتے اور فرماتے:

’’ہم نے اللہ کی رضا کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور ہمارا اجر اللہ کے ذمہ رہا، پھر ہم میں سے بعض تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور انھوں نے اپنے اجر کا کچھ بھی پھل نہ کھایا، لیکن بعض کا پھل پک گیا اور وہ اس کو توڑ کر کھا رہے ہیں، مصعب بن عمیر نے احد میں شہادت پائی تو انھیں کفن دینے کے لیے ایک چھوٹی سی چادر کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔ آج یہ حال ہے کہ اللہ کا فضل ہم پر بارش کی طرح برس رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے، اللہ نے کہیں ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا۔‘‘

یعنی اس ڈر سے روتے تھے کہ کہیں ہماری قربانیوں کا اجر ہمیں دنیا میں نہ مل جائے۔ آخری عمر میں آپ کوفہ میں آ گئے تھے، وہیں ۳۷ ہجری میں شدید بیمار ہوئے۔ وفات سے کچھ پہلے ان کے سامنے ان کا کفن لایا گیا، اس کو دیکھ کر فرمایا:

''یہ تو پورا کفن ہے، حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی سی چادر میں کفن دیا گیا تھا۔ پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا، سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، آخر ہم نے ان کے پاؤں کو اذفر گھاس سے ڈھانپا تھا۔''

پھر انھوں نے وصیت فرمائی:

''مجھے شہر کے اندر دفن نہ کرنا، میری قبر شہر سے باہر کھلے میدان میں بنانا۔''

اس وصیت کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ نے بالکل ابتدائی دنوں میں قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے والے واقعے میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے۔ یہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی حضرت فاطمہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھے اور انھیں قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد پر یہ مکان میں کہیں چھپ گئے۔ پھر جب حضرت عمر نے قرآن سنانے کی خواہش ظاہر کی، تب یہ کونے سے نکل کر سامنے آ گئے اور فرمایا تھا:

''اے عمر! تمھیں بشارت ہو، کل میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا مانگتے سنا تھا کہ الٰہی عمر اور ابو جہل میں سے جو تجھے پسند ہو، اس سے اسلام کو قوت عطا فرما، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ کبھی

اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے قریش کے ظلم کی تفصیلات سنا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ ساری کمر اس طرح سفید تھی جیسے برص کے مریض کی جلد سفید ہوتی ہے یعنی کمر پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی... جہاں جلائے جانے کا نشان موجود نہ ہو، آپ نے ۳۷ ہجری میں وفات پائی۔

اللہ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

آزاد کرتا ہوں

ایک دن انھیں اپنے غلام کی کسی بات پر غصہ آ گیا، اسے کوڑے سے مارنے لگے، اتنے میں کسی قدر فاصلے سے آواز آئی:

''یہ غلام اتنا تیرے قابو میں نہیں، جتنا تو اللہ کے قابو میں ہے۔''

ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ سنائی دیے:

''جس اللہ نے تمھیں اس غلام پر قابو دیا ہے، وہ اسے تم پر بھی قابو دے سکتا ہے۔''

انھوں نے مڑ کر دیکھا تو یہ بات کہنے والے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ الفاظ سنتے ہی کوڑا ان کے ہاتھ سے گر گیا، گھبرا کر بولے:

''اے اللہ کے رسول! آیندہ میں کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا اور اس غلام کو میں اللہ کے راستے میں آزاد کرتا ہوں۔''

یہ صحابی حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اصل نام عقبہ تھا، لیکن اپنی کنیت ابو مسعود سے مشہور ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنو حارث سے تھا۔

انھیں ابو مسعود بدری کہا جاتا ہے۔ایک روایت کے مطابق یہ بدر میں رہتے تھے، اس لیے بدری کہلائے، دوسری روایت یہ ہے کہ انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی، اس لیے بدری کہلائے۔

ہجرت نبوی سے ایک دو سال پہلے اسلام قبول کیا۔ بہت نیک فطرت تھے۔غزوۂ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آپ نے شرکت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مدینہ منورہ میں رہے۔البتہ اس دوران کچھ مدت تک بدر میں بھی رہائش اختیار کی۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں میں کوفہ چلے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر مقرر ہوئے۔انھوں نے کوفہ کی امارت کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کیا۔انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی ایک بیٹی کی شادی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی۔

آخر میں ان کے دل میں پھر مدینہ منورہ کی محبت نے جوش مارا تو کوفہ کی سکونت چھوڑ کر مدینہ منورہ آ گئے، کبھی کبھار کوفہ ہو آتے تھے۔

آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا مقام بہت بلند تھا۔آپ کا شمار احادیث کے راویوں میں

ہوتا ہے۔ آپ ۱۰۲ کے قریب احادیث کے راوی ہیں۔

آپ نہایت حق گو تھے یعنی حق بات برملا کہتے تھے۔ ایک مرتبہ کوفہ کے ایک امیر نے عصر کی نماز میں دیر کردی۔ انھوں نے امیر کو برملا ٹوکا اور فرمایا:

''نماز صحیح وقت پر پڑھنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقاتِ نماز وہی تھے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتائے تھے۔''

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ لطف لے لے کر لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سناتے تھے۔ انھیں سنت پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے دیکھا کہ لوگ جماعت میں مل مل کر کھڑے ہونے کا بالکل خیال نہیں رکھتے تو انھوں نے فرمایا:

''جب تک تم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق مل کر کھڑے ہوتے رہے تم میں اتفاق رہا، جب سے تم نے اس سنت کی پابندی چھوڑی، تو تمہارے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے۔''

ایک دن لوگوں سے فرمایا:

''تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز ادا کرتے تھے۔''

پھر خود نماز پڑھ کر دکھائی کہ ایسے پڑھا کرتے تھے، لوگوں کو جلد بازی سے منع فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حلقہ قائم کرکے بیٹھے تھے کہ دو آدمیوں نے آکر کہا:

''اس حلقے میں کوئی ہمارا فیصلہ کر سکتا ہے۔''

ایک شخص نے یہ سن کر کہا:

''میں فیصلہ کر سکتا ہوں۔''

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر اسے دے ماریں اور فرمایا:

''چپ! جلدی سے فیصلہ کرنا مکروہ ہے۔''

آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز میں برابر کرنے کے لیے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے، برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہو، کہیں اس کی سزا میں تمہارے دل آپس میں مختلف نہ ہو جائیں۔''

اور فرماتے تھے:

''تم میں سے جو دانش مند اور سمجھ دار ہیں، وہ میرے قریب ہوں، ان کے بعد وہ لوگ قریب ہوں جو اس صف میں ان کے قریب ہوں اور ان کے بعد وہ قریب ہوں جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔''

اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

بہادر ماں کے دلیر فرزند

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب چند صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا اس سے پہلے دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلا رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطرے میں ہیں تو مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھال لی۔ آپ کے قریب پہنچیں اور کفار کے سامنے ڈٹ گئیں۔ کفار بار بار حملہ کر کے آپ کی طرف آتے، یہ انھیں دوسرے صحابہ کے ساتھ تیروں اور تلواروں سے روکتیں۔ اتنے میں ایک مشرک نے تاک کر ان کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ انھوں نے نہایت پھرتی سے اس وار کو ڈھال پر روکا اور اس کے گھوڑے کی ٹانگوں پر تلوار کا وار کیا۔ گھوڑا اور سوار دونوں گر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

آپ نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پکار کر فرمایا:

''عبداللہ! اپنی ماں کی مدد کرو۔''

وہ فوراً ادھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے حملہ کرنے والے مشرک کو قتل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بازو زخمی کرتا دوسری طرف نکل گیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ان کے زخم پر پٹی کی اور بولیں:

''جاؤ بیٹا! جب تک دم میں دم ہے، لڑو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جذبہ دیکھ کر فرمایا:

''اے ام عمارہ! جتنا حوصلہ تجھ میں ہے، کسی اور میں کہاں ہوگا۔'' (طبقات ابن سعد)

اسی دوران وہی مشرک پھر پلٹ آیا جس نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بازو زخمی کیا تھا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا فوراً اس پر جھپٹ پڑیں اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

''ام عمارہ! تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔''

ام عمارہ رضی اللہ عنہا اسی طرح لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گئیں۔ ان کے جسم پر کئی زخم آئے تھے، کفار کے بھاگ نکلنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مرہم پٹی کروائی اور کئی دوسرے صحابہ کے ساتھ ان کی بہادری کا ذکر بھی فرمایا، فرمایا:

''آج ام عمارہ نے بہت بہادری دکھائی۔''

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے جن بیٹے کا ذکر ابھی آپ نے پڑھا، یعنی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق میں بھی بہادری دکھائی۔ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ میں شریک

ہوئے۔اس طرح ان چودہ سو صحابہ میں شریک ہوئے جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی خوش نودی کی بشارت سنائی۔ اس کے بعد یہ اپنی والدہ کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے۔ ۷ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ میں ساتھ تھے، اس طرح ان دس ہزار صحابہ میں شامل ہوئے جنھیں انجیل میں دس ہزار قدسی کہا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مرتدوں نے فتنہ برپا کیا اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کے لشکر میں چالیس ہزار لوگ جمع ہو گئے۔ انھی دنوں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بھائی حبیب بن زید رضی اللہ عنہ عمان سے مدینہ آ رہے تھے۔ وہ مسیلمہ کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے ان سے کہا، میری نبوت کا اقرار کرو، حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ اس نے پھر کہا:

''انکار کرو گے تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تجھ سے جو ہوتا ہے، کر لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔''

اس پر اس ظالم نے ان کے جسم کے ٹکڑے کرا دیے۔ ان کی مظلومانہ شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو شدید صدمہ پہنچا، تاہم حضرت حبیب کی ثابت قدمی پر انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور عہد کر لیا کہ مسیلمہ سے اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔

اس واقعے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ ادھر مسیلمہ نے لڑائی کی زبردست تیاری کر رکھی تھی۔ اس نے مسلمانوں کے مقابلے میں چالیس ہزار جنگ جولا کھڑے کیے۔ مسلمانوں کا ان مرتدوں سے یمامہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ اس لیے یہ لڑائی جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ مرتدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، وہ دباؤ ڈالتے تو مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑتا، پھر مسلمان حملہ کرتے تو ان کافروں کو دھکیل دیتے۔ لڑائی کا یہ رنگ دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے لشکر کو ترتیب دیا۔ ہر قبیلے کا الگ الگ لشکر بنا دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے جھنڈے کے نیچے لڑے تاکہ معلوم ہو، آج کس نے سب سے بڑھ کر شجاعت دکھائی ہے۔ مردانگی کا حق کس نے ادا کیا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ جنگی حکمتِ عملی بہت کامیاب رہی۔ اس کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ ہر قبیلے نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں خوب لڑے۔ یہاں تک کہ دشمن کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ اس کے چھکے چھڑا دیے۔ دشمن چوکڑیاں بھرنا بھول گیا۔

ادھر مسیلمہ کذاب نے اپنی فوج میں شکست کے آثار دیکھے تو اپنے پیروکاروں کو للکارنے لگا۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ شروع ہی سے مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ آخر انھوں نے اسے دیکھ لیا۔ حضرت ام

عمارہ رضی اللہ عنہا زخم پر زخم کھاتیں اس کی طرف بڑھیں۔ اس کوشش میں انھیں گیارہ زخم آئے۔ ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا، اس پر بھی انھوں نے رکنے کا نام نہ لیا۔ برابر آگے بڑھتی رہیں۔ آخر مسیلمہ کذاب کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اپنی برچھی سے اس پر وار کیا، لیکن اس پر ایک برچھی کی بجائے ایک ساتھ دو برچھیاں پڑیں۔ وہ کٹ کر گھوڑے سے گرا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنے ساتھ ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے پایا اور ان کے ساتھ ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ وحشی رضی اللہ عنہ نے اپنا حربہ (چھوٹا نیزہ) مسیلمہ پر پھینکا اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا وار کیا اور انھوں نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے قاتل کی موت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بہت توجہ سے حضرت عمارہ کا علاج کرایا، جلد ہی ان کے زخم ٹھیک ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بنوخزرج کی شاخ بنونجار سے تھے۔ ان کے والد زید بن عاصم نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت عبداللہ ابھی چھوٹے تھے کہ وہ فوت ہو گئے۔ البتہ ان کی والدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا شروع میں ہی ایمان لے آئی تھیں۔ یہ بھی روایات ملتی ہیں کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حبیب بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

غزوۂ بدر میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ شریک تھے یا نہیں، اس بارے میں یقینی بات نہیں ملتی، البتہ اس کے بعد انھوں نے تمام غزوات میں شرکت کی اور طویل عرصہ تک زندہ رہے۔ یزید بن معاویہ کے دور میں شہید ہوئے۔

علم و فضل کے لحاظ سے بھی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خاص مقام تھا۔ آپ بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے تو یہ پانی لائے اور آپ نے وضو فرمایا۔ انھوں نے آپ کے وضو کا طریقہ یاد کرلیا، چنانچہ ایک زمانہ کے بعد لوگوں نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ پوچھا تو انھوں نے خود ان کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آپ اس طرح وضو کرتے تھے۔

اللہ ان سے راضی ہو۔

☆☆☆

﴿ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ﴾

ہیڈ آفس: 523 بلاک سی، آدم جی نگر، پرانا دھوراجی، کراچی، فون: 021-4944448, 4931044